قواصم الظهور

الحمد للہ

کہ

رسالہ جدیدہ

ذخیرہ تحقیقات

مسماۃ بہ

# قواصم الظہور من اہل الفجور

(بنارس کی ایک احمدی مولوی کے اہم سوالات کے فیصلہ کن جوابات)

از

عمدۃ الاطبا جناب مولوی سید محمد وحید صاحب دام شرفہ

ساکن سرائے میر ضلع اعظم گڈھ

در مطبع اصلاح کھجوا طبع گردید

# الشمس

نمبر ۸و۹و۱۰و۱۱ ماہ شعبان و رمضان المبارک و شوال و ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ | جلد ۳۹

الحمد للہ کہ الشمس کے چار نمبر حاضر ہیں۔ اب اس سال ذی الحجہ کا ایک نمبر اور شایع کر کے محرم ۱۳۵۵ھ سے انشاء اللہ اردو تفسیر قران شروع کیجائیگی۔ جس کا دیباچہ ۴۳ صفحہ میں لکھا جاچکا ہے۔ اسکی فہرست حسب ذیل ہے:-

## فہرست دیباچہ و مقدمات تفسیر انوار القرآن

صفحہ

رسالہ جدیدہ

و

ذخیرۂ تحقیقات

مسماۃ بہ

# قواصم الظہور من اہل الفجور

از

عمدۃ الاطباء جناب مولوی سید محمد حمید صاحب دام شرفہ

ساکن سرائے میر ضلع اعظم گڈھ

در مطبع اصلاح کھجوا (صوبہ بہار) طبع گردید

قیمت ۱۰ علاوہ محصول ڈاک

# فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ محمد خاتم النبیین
وآلہ الغر المیامین - امابعد - مجھے یہ دوسرا موقع حاصل ہو رہا ہے
کہ اپنے ناظرین کرام کی خدمات عالیہ میں یہ ہدیۂ محقرہ پیش کروں - اتفاق سے
اس رسالہ کے بھی حیز وجود میں آنے کا وہی عنوان ہوا جو اس کے قبل رسالہ
تائید حق کے متعلق ہو چکا ہے - یعنے مجھے ایک مخلص کرم فرما کی تعمیل فرمائش
نے جن کو خفیف سے کمال اخلاص ہے اور وہ ہمیشہ مجھ پر نظر محبت وعطوفت مبذول
رکھتے ہیں - مجبور کیا - تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے میرے عنایت
فرما جو فعلاً بنارس میں مقیم ہیں اور جماعت احمدی کے ایک بزرگ کے فی مابین
مسائل مختلفہ متنازعہ میں کبھی تحریراً اور کبھی تقریراً گفتگو ہوتی رہتی ہے -
چنانچہ میرے مہربان دوست نے بصورت تحریر چند مسائل کو ان پر وارد
کیا - اور بالآخر اپنی اصل تحریر کو مع مخاطب کے جوابات کے میرے پاس
بھیجدیا کہ میں ان کے جوابات کو رد کروں - چونکہ مجھے اپنے مخلص دوست کی
خاطر شکنی کسی طرح گوارا نہ تھی - اس لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ
باوجود کثرت مشاغل وہجوم افکار میں قلم اٹھاؤں - بناءً علیہ یہ جوابات بصورت
رسالہ ناظرین کی خدمات میں حاضر کئے جاتے ہیں - تاکہ ان کا فائدہ عام
ہو اور مجھے دعاء خیر سے یاد کریں -

میں نے اپنے محترم کے اصل سوال کو مع مخاطب کے جوابات کے شروع

رسالہ میں لفظاً بلفظٍ درج کردیا ہے۔ اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ اپنے مخاطب کی عبارت کو حرف بحرف بلا کم و کاست تحریر کردوں تاکہ ناظرین ان کی اردو عبارت سے بھی مستفید و لطف اندوز ہو سکیں۔

ان پانچ سوالوں کے بعد مخاطب جلیل القدر نے بارہ سوال اپنی طرف سے جدید وارد فرمائے ہیں۔ میں نے ہر جواب کے ساتھ ان کی عبارت سوال کو بعینہٖ نقل کرکے اصل سوالات مذکورہ کے خاتمہ پر درج کردیا ہے جن کو میرے محترم نے اولاً پیش فرمایا تھا۔

مخاطب جلیل القدر کے مختصات سے ایک یہ امر بھی ہے کہ جب آپ کسی کتاب کا حوالہ پیش فرماتے ہیں تو لفظ "دیکھو" سے تخاطب فرماتے ہیں جس سے ممدوح کی تہذیب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ کلوخ انداز را پاداش سنگ است کی بنا پر مجھے بھی ویسا ہی جواب دینا چاہئے تھا مگر میں نے پسند نہ کیا کہ عنان تہذیب کو اپنے ہاتھ سے دے دوں۔

میں اس خدمت دینیہ کے صلہ میں اپنے خدائے کریم سے صرف نجات آخرت اور اپنے چند اموات کی بخشش کا طلبگار ہوں۔

وھو الموفق والمعین

اذل العبید السید محمد وحید

سرائمیر - اعظم گڈھ

## میرے کرم فرما کا وہ نوشتہ جس کے جواب میں تحریر مذکور ذیل وارد ہوئی

نمبر۱:۔ صحاح کی چھ جلدوں کے منجملہ جو حنفی مذہب کی سب سے معتبر کتابیں ہیں اگر کسی کتاب سے آپ یہ ثابت کر سکیں کہ بضعۃ الرسول جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے خلافت اول کو صحیح اور حق بجانب مان کر خلافت اول کی بیعت کر لی ہے تو براہ مہربانی مطلع فرمائیے ورنہ برخلاف اس کے میں صحیح بخاری سے یہ ثابت کرنے کو تیار ہوں کہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام خلیفہ اول صاحب سے اس قدر ناراض اور بیزار رہیں کہ ابتدائے جلوس تخت خلافت سے اپنی زندگی تک تادم وفات خلیفہ صاحب سے نہایت ناخوش بیزار اور متنفر رہیں حتے کہ وصیت فرما گئیں کہ خلیفہ صاحب ان کے جنازہ پر نہ آئیں اور نماز جنازہ میں بھی شریک نہ ہوں۔ اور تادم مرگ بات چیت تک بند کر دی۔

نمبر۲:۔ وضو کی آیت میں پاؤں کا غسل واجبات وضو میں داخل کرنا چہ معنی دارد اور اگر یہ صحیح ہے تو سانبھر وغیرہ کے موزوں پر بجائے غسل کے صرف مسح کر لینا کیوں جائز رکھا گیا ہے۔

نمبر۳:۔ قرآن پاک میں خدا کا حکم ہے ما اتاکم الرسول فخذوہ باوجود اس کے قلم و دوات طلب کرنے کے وقت جب کہ رسول اللہ صلعم نے باتباع آیہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ ارشاد فرمایا تھا کہ میں تم کو ایسی ہدایت لکھ جاؤں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ ثانی صاحب نے کیوں قلم دوات دینے سے روکا اور باز رکھا اور خدا کا غضب ہے یہ کہا ان ھذا الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ۔

نمبر۴:۔ جو مسلمان اپنے نبی سے ایسے گستاخی کا کلمہ کہے وہ کیسا مسلمان ہے

نمبر ۵:۔ قرآن میں خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون ۔ اسی آیت کے ماتحت اولاد نبی نے ترکہ پایا ہے جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے ورث داؤد سلیمان اس آیت میں کوئی استثناء الا معاشر الانبیاء کا نہیں ہے ۔ پھر خلاف حکم قرآنی یہ موضوعی حدیث کیوں پیش کی گئی نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقہ ۔ اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جناب فاطمہ زہراؑ کے دعوے کی صداقت کو تسلیم کر کے ان حضرت کی اولاد کی طرف کیوں واپس کر دیا ۔ ان دونوں میں کون بر سر خطا تھا اور کون بر سر صواب ۔ خیر اندیش (دستخط)

باسمہ سبحانہ

# نقل جوابات معترض
## متعلق سوال اوّل

شیعی روایات کا بیشتر حصہ اور اکثر دوسری روایت جو حضرت علی کی بیعت کے متعلق ہیں ۔ شرح ابن ابی الحدید جلد اصفحہ ۶۴ تا ۷۷ اور ۲۸۶ تا ۲۹۳ میں مفصل طور پر مذکور ہیں ۔ یہ حضرات شیعہ کی مشہور کتاب ہے ۔ اس کے صفحہ ۲۹۳ پر یہ لکھا ہوا موجود ہے فلما بایع علی والزبیر وھدأت تلک الفورۃ مشیٰ الیھا ابوبکر بعد ذلک فشفع لعمر و طلب الیھا فرضیت کہ جب حضرت علی اور زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی اور جوش ٹھنڈا پڑ گیا تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لا کر حضرت عمر کی نسبت سفارش فرمائی جس پر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کی بیعت حضرت فاطمہ کی زندگی میں ہوئی اور حضرت فاطمہ کی تمام رنجشیں بھی دور ہو گئیں حضرت علی کے مندرجہ ذیل خط سے جو انھوں نے حضرت معاویہ کی جانب

تحریر فرمایا صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی نے بلا جبر واکراہ حضرت ابوبکر کی بیعت فرمائی انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیه فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوری للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان ذلك لله رضی فان خرج من امرھم خارج بطعن او بدعة ردوه الی ما خرج فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المومنین (شیعوں کی مشہور کتاب نہج البلاغۃ ص۱۸۶)

(ترجمہ) اے معاویہ میری بیعۃ ان لوگوں نے کی ہے جنھوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کی بیعت کی تھی اور انھیں امور پر میری بیعۃ ہوئی جس پر ان کی بیعت ہوئی تھی پس اس کے بعد جو موجود تھا وہ مجاز نہیں تھا کہ کسی اور کو چنے۔ اور جو غیر حاضر تھا وہ مجاز نہیں تھا کہ اس کو رد کرے۔ کیونکہ شورے کا اختیار مہاجرین وانصار کو ہے اگر وہ ایک شخص پر جمع ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنا امام مقرر کر لیتے ہیں تو یہ عین خدا کی مرضی ہے اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مہاجرین اور انصار کے اس اجتماعی انتخاب کے خلاف کر کے اپنے آپ کو الگ کرتا ہے تو اس کے متعلق حکم ہے کہ اس کو اس بات کی طرف لوٹاؤ جس سے وہ الگ ہوا ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑائی کرو کہ اس نے مومنین کے صحیح راستہ کی پیروی نہیں کی۔ اس خط میں حضرت علی نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان مہاجرین وانصار کے اتفاق سے خلیفہ وامام منتخب ہوئے تھے جس طرح حضرت علی خلیفہ منتخب کئے

گئے۔ اس خط سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت علی پر بیعت کے لئے کوئی تشدد کیا گیا تھا کیونکہ اس خط میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین و انصار کے اتفاق سے کوئی شخص امام منتخب ہو اور کوئی بیعت نہ کرے تو اوس کو سمجھاؤ اور نہ سمجھے پھر اس سے لڑو۔

مندرجہ ذیل روایت سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی خلافت کے خواہاں نہ تھے ومن خطبته له علیه السلام لما ارید علی البیعة بعد قتل عثمان دعونی والتمسوا غیری وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموه امرکم وانا لکم وزیرا خیرا لکم منی امیرا (نہج البلاغہ صفحہ ۵)۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب حضرت علی کی بیعت لینے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کو خلیفہ اور امام بناؤ اور مجھے چھوڑ دو۔ اگر میرے سوا کسی اور کو خلیفہ و امام بناؤ گے تو میں تمہاری طرح کا ایک فرد ہوں جس کو امام و خلیفہ بناؤ گے میں تم سب سے بڑھکر اس کی اطاعت اور فرماں برداری کروں گا اور میرا وزیر ہونا بہ نسبت میرے امام اور خلیفہ ہونے کے زیادہ بہتر ہے۔ ما کانت لی فی الولایة اربة ولکنکم دعوتمونی الیها وحملتمونی علیها (نہج البلاغہ صفحہ ۸۲)۔ مجھے نہ خلافت کی رغبت اور نہ ولی ہونے کی حاجت تھی۔ اے لوگو تم نے مجھے اسکی طرف بلوایا اور اس پر برانگیختہ کیا۔

حضرت فاطمہ کے راضی ہونے کے متعلق ایک روایت اوپر درج ہو چکی ہے۔ مندرجہ ذیل روایات اور قابل غور ہیں:۔ عن الاوزاعی قال بلغنی ان فاطمة بنت رسول الله صلعم غضبت علی ابی بکر

فخرج ابوبکر حتیٰ قام علی بابها فی یوم حار قال لا ابرح عن مکانی حتیٰ ترضی منی بنت رسول اللہ صلعم فدخل علیها فاقسم علیها لترضی فرضیت (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۹۳) یعنے اوزاعی سے روایت ہے کہ جناب سیدہ ابوبکر پر ناراض ہوئی تھیں اس پر ابوبکر نکلے اور حضرت سیدہ کے دروازہ پر آکر کھڑے ہو گئے جب کہ خوب دھوپ تھی اور کہا کہ میں اس جگہ سے ہرگز نہ ہلوں گا جب تک کہ رسول مقبول کی صاحبزادی مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ پھر اندر حاضر ہوئے اور ان کو قسم دی کہ راضی ہو جائیں اور پھر وہ راضی ہو گئیں۔ ایک اور روایت حضرات شیعہ کی کتاب سے سنئے:-

ان ابا بکر لما رای فاطمۃ انقبضت عنہ وھجرتہ ولم تتکلم بعد ذلک فی امر فدک کبر ذلک علیہ فاراد استرضاءھا فاتاھا فقال لھا یا ابنۃ رسول اللہ صدقت فما ادعیت ولکنی رایت رسول اللہ یقسمھا فیعطی الفقراء فقالت افعل فیھا کما کان رسول اللہ یفعل فیھا فقالت اللھم اشھد فرضیت بذلک واخذت العھد علیہ وکان ابوبکر یعطیھم منھا قوتھم ویقسم الباقی (حجاج السالکین)

یعنی جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ ان سے تنگ دل ہوئیں اور ان سے بات کرنا ترک کر دیا معاملہ فدک میں۔ تو یہ بات ان پر گراں گذری۔ اس لئے ان کو راضی کرنے کا ارادہ کیا اور ان کے پاس آئے اور کہا کہ اے رسول اللہ کی بیٹی تم نے جو کچھ دعوے کیا سچا تھا لیکن میں نے آنحضرت صلعم کو دیکھا کہ آپ اس مال کو فقراء پر تقسیم کر دیتے تھے۔ پس حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ کرو جو حضرت رسول مقبول کیا کرتے تھے

اور کہا کہ اے خدا گواہ رہ۔ اور پھر راضی ہو گئیں اور عہد کیا ابوبکر سے اور وہ ان کو گذارہ کے مطابق دیتے تھے اور باقی تقسیم فرماتے تھے۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ نہ صرف حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں بلکہ عہد بیعت بھی کر لیا۔ اور یہی ثابت کرنا مقصود تھا۔

آنجناب نے مسلمہ فریقین کی جو حدیث تحریر فرمائی ہے یعنے الفاطمہ بضعۃ منی من اذاہا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذا اللہ ومن اذ اللہ فقد کفر۔ اسکے متعلق عرض ہے کہ یہ الفاظ حضرت رسول مقبول نے تب فرمائے تھے جب حضرت علی نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس وقت حضرت فاطمہ رسول مقبول کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ حضور نے اس وقت خطبہ پڑھا اور یہ الفاظ فرمائے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت فاطمہ اسکے بعد حضرت علی سے کبھی راضی نہیں ہوئیں۔ پس فرمائیے کہ اس حدیث کے ماتحت حضرت علی پر کیا فتوے صادر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی بیعت تو آپکی کتابوں سے ثابت کی جا چکی ہے کہ حضرت فاطمہ ان سے راضی ہو کر اور ان سے بیعت کر کے اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں۔ حضرت علی سے راضی ہونے کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔

بفرض محال اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں فرمائی تو فرمائیے آپ کے ہی کتابوں کی رو سے وہ کس فتوے کے ماتحت آتی ہیں۔ حضرت علی نے حضرت معاویہ کو جو خط تحریر فرمایا تھا اور جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ اس میں انھوں نے تسلیم فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے ہوئی اور ایسی منتخب شدہ خلافت کا منکر اس قابل ہے کہ نہ سمجھنے پر

اس سے لڑائی کیجائے۔ اب فرمائیے کہ جب حضرت علی نے بیعت ابوبکر
کرلی اور بقول آپ کے حضرت فاطمہ نے بیعت نہیں کی تو حضرت علی کے
مندرجہ بالا خط کے رو سے ان پر کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ اللہ تعالے
ایسے عقیدہ سے محفوظ رکھے۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ خاتون جنت کے
متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اونھوں نے خلیفہ وقت کی بیعت نہیں کی۔ یہ
ان پر سراسر بہتان ہے۔ اونھوں نے ضرور بیعت فرمائی۔ جیسا کہ آپکی
کتابوں سے ثابت کردیا گیا ہے۔

## متعلق سوال دوم

وضو میں پاؤں دھونا مندرجہ ذیل قرآن کی آیت سے ثابت ہے۔
یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم
وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین
(سورہ مائدہ رکوع ۲) نظم قرآنی سے صاف ظاہر ہے کہ ارجلکم منصوب
ہے اور نصب دینے والا فاغسلوا فعل ہے پس معنے یہ ہوئے
کہ جب تم نماز کے لیئے وضو کرنے لگو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک
دھولو اور پاؤں بھی دھولو۔ اور اگر وامسحوا کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا
تو ارجلکم آتا یعنے مجرور چاہیئے تھا۔ مگر قرائت مشہورہ میں مجرور
نہیں بلکہ منصوب ہے جو زبردست ثبوت اس بات کا کہ یہ فاغسلوا سے
متعلق ہے اور لامحالہ اسکے معنے ہوں گے کہ مسح کرو اپنے سروں پر
اور دھوؤ اپنے پاؤں کو۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسکی ایک قرائت جو مشہور نہیں۔ ل کی زیر سے
بھی آئی ہے یعنی ارجلکم۔ بربنائے تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ یہ

جر" جوار ہے یعنے ساتھ کے لفظ کی وجہ سے اس پر زیر آگئی ہے
ورنہ نصب کا محل تھا اور اسکی مثالیں کلام عرب میں پائی جاتی ہیں
جیسے عالیھم ثیاب سندس خضر و استبرق چونکہ ثیاب
مضاف ہے اور استبرق مضاف الیہ ہے۔ اس لئے سندس
کی طرح استبرقٍ چاہئے تھا مگر خضر کی مجاورت کی وجہ سے استبرقٌ"
آیا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کے ساتھ الی الکعبین بتاتا ہے کہ پاؤں
پر مسح کرنا مراد نہیں کیونکہ مسح کے لئے ٹخنوں تک کی شرط زائد بنتی ہے یہ
قرینہ ہے اس بات کا کہ پاؤں کا دھونا ہی مقصود شریعت ہے۔ نیز ایدیکم
الی المرافق کے ساتھ ارجلکم الی الکعبین کا تناسب کہ دونوں ایک
ہی حکم میں ہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ رسول مقبول جو مہبط وحی قران تھے۔ اور آپ کے
صحابہ۔ ان سب کا تعامل یہ تھا کہ انھوں نے پاؤں دھونے پر مداومت
فرمائی۔ اور ننگے پاؤں پر مسح کرنے سے روکا۔ چنانچہ صحیحین میں یہ الفاظ
آتے ہیں۔ غسل رجلیہ۔ و نیز اسبغوا الوضوء ویل للاعقاب
من النار یعنی اپنے پاؤں دھوئے اور فرمایا وضو پورا کرو۔ ایڑیوں کو
اگ سے بچاؤ۔ مسح کے لئے موزہ وجراب کی شرط حدیث سے ثابت ہے
چنانچہ بخاری میں آیا ہے فقال دعھما فانی ادخلتھما طاھرتین فمسح
علیھما یعنی میں نبی کریم کے ساتھ سفر میں تھا پس میں جھکا کہ آپ کے
موزے نکالوں تو آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے ان کو طہارت
پر پہنا تھا پس آپنے ان پر مسح فرمایا۔

## متعلق سوال سوم

بخاری کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں فقال عمر ان رسول اللہ قد غلب علیہ الوجع و عندکم القران حسبنا کتاب اللہ ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں اشتد برسول اللہ وجعہ فقال ائتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ماشانہ اھجر استفھموہ۔ اس دوسری حدیث کے آخری الفاظ سے حضرت عمر کو نشانہ بنایا ہے۔ مگر حدیث کے کسی الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر کے آخری الفاظ ہیں۔ بلکہ قرینہ عقلی اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ الفاظ حضرت عمر کے زبان سے نہیں نکلے بلکہ اس شخص یا اس فریق کی زبان سے نکلے ہیں جو کتابت پر زور دیتا تھا کیونکہ اسی طرف سے بطور دلیل یہ بات پیش ہو سکتی تھی کہ آنحضرت صلعم کے اس حکم کی تعمیل اگر ضروری نہیں تو کیا آپ کا حکم بے خبروں کی طرح کا ہے۔ اگر تمہارے خیال میں ایسا ہے تو استفھموہ۔ آنحضرت صلعم سے پھر پوچھ لو۔ پس ان الفاظ سے حضرت عمر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس فریق پر وارد ہوتا ہے جو کتابت پر زور دیتا تھا اور وہ شیعوں کے مسلک پر شیعوں کا گروہ ہے جس نے آنحضرت صلعم کی شان میں ایسے نازیبا الفاظ نکالے باقی ماندہ حدیث کے متعلق مندرجہ ذیل گذارشات ہیں۔

(۱) یہ روایت صرف حضرت ابن عباس کی ہے جو گیارہ برس کے تھے۔ بوجہ بالغ نہ ہونے کے بہت امکان ہے کہ واقعات میں اس قدر انضباط نہ ہو (۲) حضور کے حکم کا مخاطب کوئی خاص شخص نہ تھا اس لئے حضرت علی اور حضرت عمر قلم و دوات نہ لانے کے ایک جیسے مجرم تھے بلکہ اگر غور کیا جائے تو

حضرت عمر کا گروہ حق بجانب تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک آنحضرت صلعم نے یہ امر غلبہ مرض کی وجہ سے فرمایا تھا مگر حضرت علی کا گروہ ضرور مجرم تھا کہ باوجود یہ سمجھنے کے کہ آنحضرت صلعم حقیقۃً حکم دیتے ہیں پھر تعمیل نہ کی (۳) حضرت رسول مقبول نے فرمایا تھا قوموا عنی لا ینبغی عند النبی التنازع اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم دوات نہ لانا آنحضرت صلعم کے نزدیک کوئی بری بات نہ تھی بلکہ جھگڑا کرنا بری بات تھی (۴) یہ سمجھنا کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کے خلافت کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے تھے دعوے بلا دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کچھ حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق لکھنا تھا جو زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لئے کہ حضور نے اپنی آخری زندگی میں حضرت ابوبکر ہی کو امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا ولقد امرہ رسول اللہ بالصلوٰۃ بالناس وھو حیٌّ (شرح نہج البلاغہ صفحہ ۷) (۵) آنحضرت صلعم کو بلّغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کا حکم تھا۔ پس آپ کا کسی ضروری بات کا نہ بتانا حضور کو نعوذ باللہ ملزم قرار دیتا ہے۔ حضور کا فرض تھا کہ ضرور لکھوا تے یا زبانی ہی لوگوں کو بتا دیتے۔ اگر کہو کہ حضرت عمر کا ڈر تھا تو شیر خدا بھی وہاں ہی موجود تھے۔ پھر آنحضرت صلعم کے ساتھ خدا تعالےٰ کا وعدہ نازل ہو چکا تھا کہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنے پیغام الٰہی پہنچانے میں کوئی ضرر نہ پہونچے گا (۶) آنحضرت صلعم کی غرض اس تحریر سے صرف یہ تھی کہ ان لا تضلوا یعنے تم گمراہ نہ ہوجاؤ۔ ادہر اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں یبین اللہ لکم ان تضلوا (سورہ نساء) یعنے خدا تعالیٰ کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ اس قرطاس میں بھی آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کیطرف متوجہ کرنا تھا جس کو حضرت عمر کی فراست نے سمجھ لیا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلعم کے غلبہ مرض کو دیکھ کر جرأت کا

اخلاق کا ثبوت دیا اور فرمایا حسبنا کتاب اللہ۔ واضح رہے کہ یہ مسلم ہے کہ قران مجید کے کئی احکامات حضرت عمرؓ کی فراست اور خیالات کے مطابق نازل ہوئے (۷) یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور آنحضرت صلعم نے پیر اور منگل کی درمیانی رات کو وفات پائی۔ شنبہ واتوار کو افاقہ بھی ہوا لیکن پھر بھی حضور نے خلافت علی کی وصیت نہ فرمائی۔ ہائے افسوس حضرت علی سے بھی علحدگی میں نہ فرمایا (۸) یہ عجیب بات ہے کلام اللہ جو ۲۳ برس تک نازل ہوتا رہا اور جسکے اختتام پر فرمایا گیا الیوم اکملت لکم دینکم اس سے تو گمراہی کا سد باب نہ ہوا اگر حضور کی تحریر سے گمراہی ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی۔ ہمارے نزدیک رسول کی تحریر خدا کے کلام سے ہرگز افضل نہیں ہوسکتی (۹) شیعہ حضرات کا خیال ہے کہ آنحضرت صلعم نے خلافت علی کی وصیت فرمائی تھی۔ جس کو ماں کر لن تضلوا بعدہ کے نقشہ کا ظہور ہونا تھا یعنے بعد میں کسی کو گمراہ نہ ہونا تھا مگر تعجب ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علی کی خلافت کو بلا فصل مانتے ہیں مگر پھر بھی انھیں میں بیسیوں فرقے ہیں (۱۰) اگر حضرت عمر کا قلم دوات نہ لانا اس لئے کفر وفسق ہے کہ آپ نے حضور کی تعمیل نہیں کی حضرت علی پر بھی یہی حکم لگ سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بہمت فرماکر قلم دوات نہ لائے۔ دوسرے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی نے آنحضرت صلعم کے حکم کی قولاً و فعلاً عدم تعمیل کی جب کہ آنحضرت صلعم نے صریحاً حکم فرمایا تھا کہ امح اسمی مگر حضرت علی نے تعمیل نہیں فرمائی اور فرمایا واللہ لا امحوک ابدا کہ میں ہرگز نہیں مٹاؤں گا حتے محاوہ رسول اللہ صلعم یہاں تک کہ آنحضرت صلعم نے خود مٹایا۔ (۱۱) اگر حضرت علی کے خلافت کی وصیت تھی تو او نھوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت کیوں فرمائی جیسا کہ آپ کی کتابوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

## متعلق سوال چہارم

ولکل جعلنا موالی۔ بے شک عام آیت ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم شریک بھی ہوں۔ جیساکہ وانکحوا الایامی منکم یعنے بیوہ عورتوں سے نکاح کرو۔ اس حکم سے آنحضرت صلعم کی بیویاں مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح سے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربع میں تعدد ازدواج کی چار تک اجازت ہے اور عمومیت ہے مگر آنحضرت صلعم اس میں شامل نہیں اور یہ استثناء قران میں کہیں مذکور نہیں بلکہ یہ حضور کے تعامل سے ثابت ہے کہ حضور نے نو بیویاں کیں۔ اسی طرح سے ولکل جعلنا موالی میں جو استثنا ہے وہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث سے ثابت ہے۔ یعنے انبیاء کے رتبی جائداد کا کوئی وارث نہیں۔ یہ حدیث نہ صرف صحاح ستہ میں ہے بلکہ حضرات شیعہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثھم (اصول کافی کتاب العلم صـ۱۷) یعنے انبیاء کرام ورثہ نہیں دیتے درہم اور دینار۔ بلکہ ورثہ دیتے ہیں احادیث اپنی احادیث سے پس ورث داؤد سلیمان میں روحانی ورثہ مراد ہے۔ نہ کہ مالی ورثہ۔ اس لئے کہ حضرت داؤد کے کئی لڑکے تھے جیساکہ توریت سے ثابت ہے پس صرف سلیمان کا ذکر کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہاں روحانی ورثہ مراد ہے۔ یہ مسئلہ ایک اور آیت سے بھی صاف ہو جاتا ہے حضرت زکریا دعا فرماتے ہیں فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب (سورہ مریم) یعنے مجھے ولی دے جو میرا اور آل یعقوب کا

وارث ہو۔ یہاں صاف روحانی ورثہ مراد ہے کیونکہ مالی ورثہ حضرت یحییٰ کو حضرت کا زکریا کا ہی مل سکتا تھا نہ کہ حضرت یعقوب کی ساری نسل کا۔ چنانچہ اصول کافی میں امام صادق علیہ السلام سے حضرت سلیمان کے ورثہ کی کیفیت یوں مروی ہے:۔

قال ان سلیمان ورث داؤد وان محمد اورث سلیمان وانا ورثنا محمد ا (اصول کافی ص ۱۳۷) یعنے حضرت سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور حضرت محمد صلعم سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم حضرت محمد کے وارث ہوئے۔

سوال نمبر ا کے جواب میں حجاج السالکین سے روایت درج کی جا چکی ہے کہ حضرت فاطمہ نے اس مسئلہ کو بعد میں سمجھ لیا تھا اور حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئی تھیں ونیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کیوں باغ فدک کو واپس نہیں دلوایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کے نزدیک بھی یہ ورثہ قابل تقسیم تھا۔

## متعلق سوال پنجم

ہمارے نزدیک حضرت ابوبکر کا فعل قرآن وحدیث کے عین مطابق تھا اور وہ برسر صواب تھے۔ حضرت خلیفہ عبدالعزیز صاحب نے جن حالات کے ماتحت باغ فدک واپس دیا اس کا ثبوت معتبر تاریخی کتابوں سے درکار ہے

والسلام

خاکسار

(دستخط معترض)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

# جواب اول بیعت حضرت علی خلفائے اور سیدۂ نساء جناب فاطمہ زہرا کی تحقیق

ہمارے محترم معترض نے ثبوت بیعت حضرت علیؑ کے باب میں شرح ابن ابی الحدید معتزلی سے استدلال کیا ہے۔ مجھے ان کے اس فعل پر کبھی تو کمال تعجب ہوتا ہے اور کبھی فرط حیرت سے ان کے عدم واقفیت پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مولانا ممدوح اصول مناظرہ سے بھی ناواقف محض ہیں۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ دلیل ہمیشہ مقبولات خصم سے لائی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے قابل مخاطب جب ہر طرف سے عاجز ہوئے تو اپنی ہی کتابوں سے حوالے دینے لگے جو ان کے عجز کی دلیل بیّن ہے۔ سچ ہے الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبنے والا عالم اضطراب میں ہر تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ الغریق یتشبث بلحیتہ نادان غریق کبھی اپنی ڈاڑھی ہی کو پکڑ لیتا ہے تاکہ اس کے سہارے سے نجات پاجائے۔ حالانکہ اس بیچارے کو نہیں معلوم کہ اسکی ڈاڑھی بھلا اس کو کیونکر بچا سکتی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ ہمارے مخاطب نے ابن ابی الحدید کو شیعی المسلک قرار دیدیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کلام کا باعث ان کا جہل ہے یا تجاہل۔ ماشاء اللہ ان کے تبحر علمی کا اس سے بالاتر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ مقام عجز میں اپنے افراد مذہب کو شیعوں کے گروہ میں داخل کئے دیتے ہیں اور مقام احتجاج میں ان کے کلام کو ہم پر وارد کرنا چاہتے ہیں۔ شرح ابن ابی الحدید کے متعلق ان کا یہ فرمانا کہ "یہ حضرات شیعہ کی مشہور کتاب ہے"۔ غلط اور سراسر غلط ہے۔ اگر آپ کو یہ نہیں معلوم ہے تو ذرا زحمت کرکے شرح مذکور جلد چہارم کے آخر میں بعنوان ترجمہ مصنف جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ دیکھ لیجئے آپ پر واضح ہو جائیگا کہ ابن

ابی الحدید کا کیا مسلک تھا صفحہ ۵۷۵ میں کتاب مجمع الآداب فی معجم الالقاب سے جو احوق بن محمد ابو المعالی شیبانی کی مصنفہ ہے اور وہ علم تاریخ میں وحید عصر و یکتا ئے زمانہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ ذیل کی عبارت نقل کی گئی ہے:۔

| | |
|---|---|
| الامام السعید عز الدین ھو عز الدین بن عبد الحمید بن ابی الحسین ھبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن الحسین بن ابی الحدید المدائنی الحکیم الاصولی کان من اعیان العلماء الافاضل والاکابر الصدور الاماثل حکیما فاضلا کاتبا کاملا عارفا باصول الکلام یذھب مذھب المعتزلہ۔ | امام سعید عز الدین ابن عبد الحمید وہی عز الدین ابن عبد الحمید بن ابو الحسین ہبتہ اللہ بن محمد بن محمد بن الحسین بن ابی الحدید مدائنی حکیم اصولی تھے۔ بڑے بزرگ علماء و فضلاء میں سے تھے۔ حکیم فاضل منشی کامل اصول کلام کے ماہر تھے۔ مذہب معتزلہ پر چلا کرتے تھے۔ |

پھر کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ میں صاحب فوات الوفیات کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| عبد الحمید بن ھبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن ابی الحدید عز الدین المدائنی المعتزلی الفقیہ الشاعر۔ | عبد الحمید بن ہبتہ اللہ بن محمد بن محمد بن ابی الحدید عز الدین مدائنی معتزلی فقیہ شاعر تھے۔ |

علاوہ اسکے ابن ابی الحدید نے جا بجا اپنی شرح میں خود اپنے دین اعتزال کا اقرار کیا ہے۔ اس بیان سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ ابن ابی الحدید

مذہب معتزلہ رکھتے تھے جو اہلسنت کا ایک فرقہ ہے۔ پس انکا قول کسی طرح ہم پر حجت نہیں ہو سکتا۔ علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف بھی معتزلی المذہب تھے۔ پس ان کا شمار بھی کیا شیعوں میں ہو جائیگا اگر ایسا ہے تو مستند علماے اہلسنت کے اقوال کو پیش فرمائیے جنہوں نے علامہ زمخشری کو شیعوں میں شمار کیا ہو۔ اور اس کے برعکس مجھ سے سن لیجئے ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں فرقہ معتزلہ کو منجملہ فرق اہل السنۃ والجماعۃ شمار کیا ہے۔ پس ابن ابی الحدید کا شیعی المسلک ہونا مخترعات و مفتریات مخاطب جلیل القدر سے ہے۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور اگر کوئی ثبوت رکھتے ہیں تو پیش کریں۔ فاضل ممدوح نے حضرت علی علیہ السّلام کے ایک خطبہ کو نہایت غلط طریقہ سے پیش فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا ذہن رسا اصل مطلب تک پہونچا ہی نہیں۔ خدا را انصاف لگتی بات کہیے کہ اگر علی بن ابی طالب سے اوسی عنوان سے بیعت کی گئی جس طور سے دیگر خلفاء سے بیعت کی گئی تھی تو اس سے نہ اثبات خلافت خلیفہ اول ہی ہو سکتا ہے نہ اسی امر کا ثبوت مل سکتا ہے کہ حضرت علی نے دیگر خلفا کی بیعت کی بلکہ اس کلام کا منشا صرف اس قدر ہے کہ معاویہ نے جب خون عثمان کی تہمت ناروا لگا کر خروج کرنا چاہا تو آپ نے یہ خط تحریر فرمایا۔ جس میں حضرت قوم کے مسلمات سے اُن پر استدلال فرما رہے ہیں کہ جب تم نے مجھ کو اپنے اصول کے مطابق خلیفہ وقت تسلیم کر لیا تو اب تم کو بجز میری اطاعت کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔ نہ یہ کہ تم مجھ پر خروج کرو۔ مقصد یہ ہے کہ میں خلیفہ حقیقی بنص خدا اور رسول تو پہلے ہی سے تھا۔ جب تم بھی اپنے اصول کے موافق میری خلافت تسلیم کر چکے تو پھر اب مخالفت کی تمہیں کیا وجہ ہے۔ چونکہ حضرت علی کے اس کلام کی شرح

اور مطلب واقعی کو میں رسالہ تائید حق میں تحریر کر چکا ہوں اور بکمال بسط
اس کے متعلق کلام کیا جا چکا ہے اور وہ رسالہ بھی ہمارے دوست ہی
کے سوالات پر لکھا گیا تھا اور وہ ملاحظہ بھی کر چکے ہیں اور تجاہل سے کام
لے رہے ہیں۔ لہٰذا ممدوح کو چاہیئے کہ اس رسالہ کو از سرِ نو ملاحظہ کریں
میں اس مقام پر بخیال طول اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اگر رسالہ
واصل خدمت نہ ہوا ہو تو پھر حاضر کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے بافہم
معترض نے ترجمہ میں بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ کہیں پر خبر کو انشاء
کا جامہ پہنایا ہے جو ارباب علم و نظر سے مخفی نہیں ہے۔ مخاطب موصوف
کے تبحر علمی و فنون علمیہ میں دستگاہ کامل رکھنے کا دوسرا ثبوت واضح
یہ ہے کہ اونھوں نے ایک فرضی کتاب حجاج السالکین سے ایک عبارت
نقل کی ہے۔ میں ان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ یہ فرمائیں کہ
اس کتاب کا مصنف کون ہے اور کس مطبع میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے۔
اور کس صفحہ اور کس باب میں آپ کی عبارت منقولہ پائی جاتی ہے۔ بوقت
نقل عبارت آپ نے اس کو ضرور ہی ملاحظہ کیا ہوگا۔ اگر آپ مجھے بھی
دکھلا دیں تو میں آپ کا غایت درجہ ممنون و شکر گذار رہوں گا۔ اسی طرح
موصوف نے ایک مقام پر تاریخ خمیس کا حوالہ درج کیا ہے۔ میں تو
ایک مسلمہ مقولہ سنتا آیا ہوں کہ "چوں زن پستان خود مالد حظوظ نفس کے پابند"
لیکن ممدوح نے اپنے طرز عمل سے اس مقولہ کو باطل کر کے عورتوں کو مردوں
سے بے نیاز کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا مانے یا نہ مانے۔ اسی
اصول کے مطابق معترض نے اس مسئلہ کو بھی باطل کرنا چاہا ہے کہ دلیل
ہمیشہ مقبولات خصم سے لائی جاتی ہے۔ چلیئے بہت اچھا ہوا۔ ہر شخص
کو اس قاعدہ کے مطابق اپنے منہ میاں مٹھو بن لینا کافی ہے۔ اگلے

سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ تاریخ خمیس کا حوالہ اگر وہ صحیح بھی ہو تو ہمارے لئے کب قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ بہر حال اب ذرا ہوش کے کان کھولکر انصاف کی عینک لگا کر دیکھئے۔ آپ کے مسلم الثبوت اور جلیل القدر عالم علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری جو علمائے اجلہ سے ہیں اور وہ بہ نسبت معترض کے قریب العہد ہیں ان کی وفات ۲۷۶ھ میں واقع ہوئی ہے اپنی مشہور کتاب السیاسۃ والامامۃ میں لکھتے ہیں دیکھئے ص۱۲ مطبوعہ مصر ۱۳۳۱ھ

فاتی عمر ابا بکر فقال له الا تاخذ هذا المتخلف عنك بالبيعة فقال ابو بكر لقنفذ وهو مولى له اذهب فادع لي عليا فذهب الى علي فقال ما حاجتك فقال يدعوك خليفة رسول الله فقال علي لسريع ما كذبتم على رسول الله فرجع فابلغ الرسالة قال فبكى ابو بكر طويلا فقال عمر الثانية ان لا تمهل هذا المتخلف عنك بالبيعة فقال ابو بكر لقنفذ عد اليه فقل له امير المؤمنين يدعوك لتبايع فجائه قنفذ فادى

پس عمر ابو بکر کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اس شخص سے جس نے بیعت سے تخلف اختیار کیا ہے کیا بیعت نہ لوگے۔ پس ابو بکر نے اپنے غلام قنفذ سے کہا کہ جا اور علی کو میرے پاس بلا لا پس وہ علی کے پاس گیا۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا مقصد ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کو خلیفۂ رسول بلا رہے ہیں حضرت نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت جلد رسول پر جھوٹ باندھ دیا۔ پس قنفذ واپس آیا اور حضرت علی کا پیغام پہونچایا۔ ابو بکر بہت روئے عمر نے دوبارہ کہا کہ بیعت سے اس

ما امر به فرفع على صوته
فقال سبحان الله لقد ادعى
ما ليس له فرجع قنفذ فابلغ
الرسالة فبكى ابوبكر طويلا
ثم قام عمر فمشى ومعه جماعة
حتى اتوا باب فاطمة فدقوا
الباب فلما سمعت اصواتهم
نادت باعلى صوتها يا ابت
يا رسول الله ماذا لقينا
بعدك من ابن الخطاب
وابن ابى قحافه فلما
سمع القوم صوتها
وبكاءها انصرفوا
باكين وكادت
قلوبهم تتصدع و
اكبادهم تنفطر
وبقى عمر ومعه
قوم فاخرجوا عليا

تخلف اختیار کرنے والے کو مہلت نہ دی
پس ابوبکر نے قنفذ سے کہا کہ پھر علی کے
پاس جا اور کہہ کہ امیر المومنین نے بیعت کیلئے
آپ کو بلایا ہے۔ پس علی نے اپنی آواز
بلند کی اور کہا سبحان اللہ اس نے ایسے
امر کا دعویٰ کر لیا جو اس کے لئے نہ تھا
پس قنفذ نے علی کا پیغام پہونچایا ابوبکر
یہ سنکر عرصہ تک روئے پھر عمر کھڑے ہوئے
اور ان کے ساتھ ایک جماعت تھی یہاں تک
کہ دروازہ فاطمہ پر آئے اور دروازہ
کو کھٹکھٹایا جب فاطمہ نے انکی آوازیں
سنیں تو بلند آواز سے پکاریں۔ اے بابا جان
اے رسول خدا آپ کے بعد ہم نے ابن خطاب اور
ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصیبتیں اوٹھائیں
جب قوم نے فاطمہ کی آواز اور انکے گریہ کو سنا
تو وہ لوگ روتے ہوئے لوٹ گئے اور قریب تھا کہ انکے
قلوب شق ہو جائیں اور جگر شگافتہ ہو جائیں اور
عمر باقی رہگیا اور انکے ساتھ چند لوگ تھے اور علی کو باہر نکالا

ہر منصف کو اس کلام پر نظر غائر ڈالنی چاہئے اور بنگاہ انصاف تولنا چاہئے
کہ حضرت علی کے ان دونوں جملوں کے کیا معنی ہیں جن کو ابن قتیبہ ایسے عالم
جلیل القدر نے نقل کیا ہے لسریع ما کذبتم علی رسول اللہ اور
سبحان اللہ لقد ادعی ما لیس له ۔ اگر معترضین علی بن ابی طالب

کو صادق القول سمجھتے ہیں تو پھر فرمائیں اس سے خلافت ابوبکر کا کیا حشر ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب قنفذ نے یہ کہا تھا کہ آپ کو خلیفہ رسول خدا نے طلب کیا ہے تو حضرت علی نے فرمایا کہ تم لوگوں نے رسولخدا پر بہت جلد جھوٹ باندھ دیا۔ مقصود یہ ہے کہ وہ خلیفہ رسول کہاں سے بن گئے کہ اس لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور جب قنفذ نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کو امیر المومنین نے بیعت کے لئے بلایا ہے تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ابوبکر نے ایسے امر کا دعوے کر لیا جو اس کا حق نہ تھا۔ ان دونوں جملوں سے انکی خلافت بالکل ہوا ہوئی جاتی ہے۔ اور اگر وہ لوگ (معاذ اللہ) حضرت علی کو صادق القول نہیں سمجھتے تو پھر انکی خلافت کو کیوں تسلیم کرتے ہیں اور زمرہ خلفاء سے کیوں نہیں علحدہ کر دیتے۔ اگر ہمارے مخاطب مکرم کی تسکین قلب و تشفی خاطر کے لئے اس قدر کافی نہ ہو تو کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ کو ملاحظہ کریں جس میں یہ عبارت موجود ہے۔

اتی به الی ابی بکر وهو یقول انا عبد الله واخو رسول الله فقیل له بایع ابا بکر فقال انا احق بهذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعة لی اخذ تم هذا الامر من الانصار واحتججتم علیهم بالقرابة من النبی

پھر حضرت علی ابوبکر کے پاس لائے گئے اور وہ فرمارہے تھے کہ میں بندۂ خدا اور برادر رسولخدا ہوں پس ان سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس امر کا تم لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں میں ہرگز تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ بلکہ تم لوگ زیادہ سزاوار ہو کہ میری بیعت کرو۔ تم نے خلافت کو انصار سے لے لیا اور ان کے اوپر قرابت

صلعم وتاخذونہ منا اہل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منہم لما کان محمد منکم فاعطوکم المقادۃ و سلموا الیکم الامارۃ فانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیًّا ومیتا فانصفونا ان کنتم تومنون والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون۔

رسول سے احتجاج کیا اور تم لوگ خلافت کو ہم اہلبیت سے غصب کر کے لے رہے ہو۔ کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں گمان نہ کیا کہ تم خلافت کے اُن سے زیادہ مستحق ہو اس لئے کہ محمد تم میں سے تھے۔ پس ان لوگوں نے تمہاری بیعت قبول کر لی اور حکومت کو تمہارے حوالہ کر دیا۔ میں بھی تم پر وہی احتجاج قائم کرتا ہوں جو تم نے انصار پر قائم کیا۔ ہم حیًّا و میتاً رسولخدا سے زیادہ قریب ہیں۔ پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ ہلاکت پر آمادہ رہو ظلم کی وجہ سے درانحالیکہ تم جانتے ہو۔

اس روایت کو ابن ابی الحدید نے بھی اپنی شرح جلد دوم میں نقل کیا ہے۔ اس کلام سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی نے بیعت سے بالکل انکار کر دیا اور اہلبیت سے خلافت غصب کر لیگئی۔ وتاخذونہ منا اہل البیت غصبا کو خوب یاد کر لیجے آپ لیجئے دوسرا مسئلہ کہ آیا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضرت ابو بکر سے راضی ہوئیں یا نہیں۔ پس اسکے متعلق ہمارے مخاطب نے ایک فرضی کتاب حجاج السالکین کی ایک عبارت پیش فرمائی ہے جسکے متعلق سابقاً لکھ چکا ہوں کہ اس نام کی کوئی کتاب مذہب شیعہ میں موجود نہیں۔ اور اگر معترض صاحب نے اس کو کہیں دیکھا ہے تو انکو لازم ہے کہ اس کتاب کو پیش کریں۔ میں حسب حیثیت ان کی خدمت میں کچھ انعام

بھی پیش کش کرونگا۔ بار ثبوت ہمیشہ مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔ پس کتاب کا پیش کرنا ان کا فریضہ ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ صاحب تحفہ نے عوام کو فریب دینے کے لئے ایک عبارت اپنی طرف سے بناکر اور ایک فرضی کتاب کا نام مجاج السالکین تجویز کرکے لکھدیا تھا کہ یہ شیعوں کی کتاب ہے اور یہ عبارت اس میں موجود ہے۔ ہمارے معترض نے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اس مضمون کو دیکھ لیا اور جھٹ سے اس کو نقل کر دیا۔ اور اپنے کمال قابلیت سے مجاج السالکین کو محجاج السالکین لکھا ہے اور نام بھی نہ پڑھ سکے۔ خود اتنی تحقیق کا مادہ کہاں کہ معلوم کرسکیں کہ درحقیقت یہ کوئی کتاب ہے بھی یا نہیں اور جو کچھ لکھا گیا ہے آیا صحیح ہے یا غلط حالانکہ ہمارے مذہب میں مجاج السالکین ہی نام کی کسی کتاب کا وجود ہے نہ محجاج السالکین ہی کوئی کتاب ہے۔ بہر حال وہ رضائے فاطمہ کے مدعی ہیں اور ہیں عدم رضا کا قائل پس دراصل یہ معترض کا فریضہ ہے کہ وہ رضا کا ثبوت ہماری کتابوں سے دے۔ لیکن میں تفضلاً عدم رضائے فاطمہ زہرا کو انکی مسلمہ کتابوں سے ثابت کئے دیتا ہوں۔ دیکھئے کتاب السیاستہ و الامامہ مطبوعہ مصر ص ۱۳

| | |
|---|---|
| فقال عمر لابی بکر انطلق بنا الی فاطمه فانا قد اغضبناها فانطلقا جمیعا فاستاذنا علے فاطمه فلم تاذن لهما فاتیا علیا فکلماه فادخلهما علیها فلما قعدا عندها حولت وجهها الی الحائط فسلما علیها | پس عمر نے ابوبکر سے کہا کہ ہمارے ساتھ فاطمہ کے پاس چلو اس لئے کہ ہم لوگوں نے ان کو غضبناک کر دیا ہے پس وہ دونوں چلے اور فاطمہ سے اذن حضوری طلب کیا حضرت نے اجازت نہ دی پس وہ دونوں حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے اس باب میں کلام کیا۔ پس حضرت ان دونوں کو لے گئے اور جب ان کے قریب بیٹھے |

فلم ترد علیهما السلام
فتکلم ابو بکر فقال
یا حبیبة رسول الله
والله ان قرابة رسول
الله احبّ الیّ من
قرابتی وانک لاحبّ
الیّ من ابنتی عائشة
ولوددت یوم مات ابوک
انی متّ ولا ابقی بعده
افترانی اعرفک واعرف
فضلک وشرفک وامنعک
حقک ومیراثک من
رسول الله الا انی سمعت
اباک رسول الله صلی
الله علیه وسلم یقول
لا نورث ما ترکنا فهو
صدقة فقالت ارأیتکما
ان حدثتکما حدیثا
عن رسول الله تعرفانه
وتفعلان به فقالا
نعم فقالت نشدتکما
الله الم تسمعا رسول الله

تو فاطمہ نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا
پس ان دونوں نے سلام کیا۔
حضرت نے جواب سلام نہ دیا۔ ابوبکر
نے کلام شروع کیا کہ اے رسولخدا کی
پیاری خدا کی قسم قرابت رسولخدا مجھے
اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے اور
بے شک آپ مجھکو میری بیٹی عائشہ سے
زیادہ محبوب ہیں اور میں دوست رکھتا
تھا کہ جس دن آپ کے پدر نے انتقال
کیا میں بھی مر جاتا اور ان کے بعد زندہ
نہ رہتا۔ پس آپ مجھے دیکھتی ہیں کہ میں
آپ کو پہچانتا ہوں اور آپ کے
فضل و شرف کو جانتا ہوں اور آپ کو
آپ کے حق اور میراث رسول سے
روک دونگا مگر یہ کہ میں نے آپ کے
پدر رسولخدا سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم
میراث نہیں دیتے ہم نے جو چھوڑا وہ
صدقہ ہے۔ پس حضرت فاطمہ نے ارشاد
کیا کہ اگر میں تم دونوں سے رسول کی
ایک حدیث بیان کروں تو تم دونوں اسکو
مانو گے اور اس پر عمل کروگے ہر دو نے
کہا کہ ہاں بیشک۔ حضرت نے فرمایا کہ میں

يقول رضا فاطمة من
رضای وسخط فاطمة
من سخطي فمن احب فاطمة
ابنتي فقد احبني ومن
ارضى فاطمة فقد ارضاني
ومن اسخط فاطمة فقد
اسخطني فقالا نعم سمعنا
من رسول الله ص قالت
اني اشهد الله وملائكته
انكما اسخطتماني وما ارضيتماني
ولئن لقيت النبي ص لاشكونكما
اليه فقال ابوبكر انا
عائذ بالله من سخطه
وسخطك يا فاطمة
ثم انتحب ابوبكر يبكي
حتى كادت نفسه
ان تزهق وهي تقول
لادعون الله عليك
في كل صلاة اصليها
ثم خرج باكيا فاجتمع
اليه الناس فقال لهم
يبيت كل رجل منكم

تم دونوں کو قسم دیتی ہوں کہ آیا تم نے
رسولخدا سے نہیں سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ
فاطمہ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہ کا
غضب میرا غضب ہے پس جس نے میری
بیٹی فاطمہ کو دوست رکھا اس نے مجھے
دوست رکھا اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اسنے
مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اسنے
مجھے ناراض کیا۔ دونوں نے کہا کہ ہاں
بے شک ہم نے رسولخدا سے سنا ہے۔ فاطمہ نے
فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ
کرتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض
کیا اور مجھکو ناخوش کیا اور اگر میں نبی
سے ملاقات کرونگی تو تم دونوں کی شکایت
ان سے ضرور کرونگی۔ پس ابوبکر
نے کہا کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں
نبی کے غضب سے اور اے فاطمہ
تمہارے غضب سے۔ پھر ابوبکر رونے لگے
یہاں تک کہ قریب تھا کہ انکی روح نکل جائے
اور وہ فرماتی ہی رہیں کہ میں ہر نماز میں
جس کو میں پڑھونگی تم پر ضرور بددعا
کروں گی۔ پھر ابوبکر روتے ہوئے
چلے گئے۔ پس لوگ ان کے پاس جمع

معانقا حليلته مسرورا باهله وتركتموني وما انا فيه لا حاجة لى في بيعتكم اقيلوني بيعتي۔

ہوئے تو ابو بکر نے ان سے کہا (واہ) ہر ایک تم میں سے اپنی بی بی کو گلے لگا کر خوش خوش شب بسر کرتا ہے اور مجھ کو تم لوگوں نے اس حالت میں چھوڑ دیا ہے جسمیں مبتلا ہوں مجھے تمہارے بیعت کی کوئی حاجت نہیں مجھے بیعت سے معاف کرو۔

شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۸۰ میں بھی جناب سیدہ کا ابو بکر پر بد دعا کرنے کا واقعہ درج ہے۔ ہمارے معترض صاحب ذرا اس عبارت کے ایک ایک لفظ کو بنظر انصاف دیکھکر فرمائیں کہ آیا جناب فاطمہ زہرا کی رضامندی کسی لفظ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اظہار رضا تو درکنار۔ ہر ہر لفظ سے بصراحت یہ امر منکشف ہو رہا ہے کہ مخدومۂ کونین ہرگز ان دونوں سے راضی نہ تھیں بلکہ برابر ان پر بد دعا ہی کرتی رہیں تا اینکہ خلیفہ اول رونے لگے اور صاف صاف کہدیا کہ تم لوگ تو اپنی بی بیوں کو گلے لگا کر بآرام سوؤ اور میں اس مصیبت میں گرفتار رہوں۔ مجھے بیعت سے معاف رکھو۔

اب تو غالباً ہمارے مخاطب کو عدم رضائے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میں کوئی شک باقی نہ ہوگا۔ اور اگر اب بھی تسکین خاطر نہ ہوئی ہو تو ترجمہ مشکوۃ مولوی عبد الحق دہلوی کتاب الجہاد باب الفئ فصل سوم دیکھیں۔

مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا است زیرا کہ اگر بگویم کہ او جاہل بود باین سنت یعنے حدیثے کہ ابو بکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ و اگر التزام کنیم کہ شاید اتفاق نیفتاد او را

تمام قضیوں میں مشکل فاطمہ زہرا کا معاملہ ہے اس لئے کہ اگر یہ کہیں کہ وہ اس سنت سے واقف نہ تھیں یعنے اس حدیث کو جسے ابو بکر نے نقل کیا نہ جانتی تھیں تو یہ فاطمہ سے بعید ہے۔ اور اگر یہ التزام

بسماع این حدیث ازاں حضرت
مشکل می شود کہ بعد از استماع
از ابی بکر و شہادت سائر
صحابہ براں چرا قبول نہ کرد
و در غضب آمد و اگر غضب او پیش
از سماع حدیث بود چرا برنگشت
از غضب تا اینکہ امتداد کشید
و تا زندہ بود مہاجرت کرد

کرلیں کہ اس حدیث کے سننے کا
اتفاق رسول سے نہ ہوا تو یہ مشکل
واقع ہوتی ہے کہ ابوبکر سے سننے اور تمام
اصحاب کی گواہی کے بعد کیوں نہ
قبول کرلیا اور غصہ میں آئیں۔ اور اگر
انکا غصہ استماع حدیث کے قبل تھا تو پھر
کیوں غصہ کو ترک نہ کیا اور اس قدر
طول کھینچا کہ جب تک زندہ رہیں مہاجرت اختیار کی

مجھے اپنے مہربان دوست سے کمال حیرت ہے کہ جب وہ رضائے فاطمہ زہرا کو ثابت نہ کرسکے تو ابن ابی الحدید کی ایک عبارت پیش کردی اور دھوکا دیکر ابن ابی الحدید کو شیعہ ظاہر کرنا چاہا۔ لیکن تعجب خیز یہ امر ہے کہ خود ابن ابی الحدید نے اس مسئلہ میں جو اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ اس سے بالکل غض بصر کرلیا۔ اگر شاید چشمہ موجود نہ رہا ہو تو میں ایک بے تکلف دوست ہوں۔ حاضر خدمت کرسکتا ہوں تاکہ وہ دیکھ لیں شرح ابن ابی الحدید ص۲۰ مطبوعہ مصر میں وہ لکھتے ہیں۔

والصحیح عندی انها
ماتت وهی واجدة
علی ابی بکر و عمر
وانها اوصت ان لا
یصلیا علیها۔

اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ فاطمہ
نے انتقال کیا اور وہ ابوبکر و عمر سے
رنجیدہ ہی رہیں اور وصیت کی کہ وہ دونوں
ان پر نماز نہ پڑھیں۔

امام بخاری نے ذکر غزوہ خیبر جلد ۳ ص۳۵ میں اور علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص۸ مطبوعہ مصر میں اسی مضمون کو نقل کیا ہے۔ فوجدت فاطمہ

علی ابی بکر فی ذلک فہجرتہ فلم تکلمہ حتی توفیت وعاشت بعد النبی ستۃ اشہر پس فاطمہ ابوبکر سے اس بارہ میں رنجیدہ وغمگین ہی رہیں تا اینکہ وفات پائی اور بعد نبی کے وہ حضرت چھ ماہ زندہ رہیں۔ میرے خیال میں اگر معترض صاحب کچھ بھی مادہ عدل وانصاف رکھتے ہونگے تو اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر مسئلہ عدم رضائے فاطمہ زہرا کو تسلیم کرلیں گے خصوصاً نقل امام بخاری کے بعد اب کوئی شک کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ روآیات اس باب میں بہت ہیں مگر میں نے بخیال طول صرف چند روایات پر اکتفا کی جو ہر حق پسند کے لئے ضرورت سے زیادہ کافی ہے۔

اس سوال کے ذیل میں ہمارے مخاطب نے دو باتیں اور پیش کی ہیں لہذا بالاجمال ان کے جوابات بھی ملاحظہ کرلیں۔ ممدوح نے اپنے کمال بغض وعناد کی بنا پر یہ تحریر کیا ہے کہ حدیث فاطمۃ بضعۃ منی کی شان نزول یہ ہے کہ جب حضرت علی نے دختر ابوجہل سے تزویج کا ارادہ کیا تو سرور عالم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی پس مختصراً یہ گذارش ہے کہ اس واقعہ کا ہماری حدیثوں اور روایتوں میں کہیں وجود تک نہیں۔ نہ اس کا عین ہے نہ اثر تو پھر ہم اس کے جواب کے کیونکر ذمہ دار ہوسکتے ہیں۔ بالکل واضح امر ہے کہ جب ہم کسی شئے کے وجود ہی کے قائل نہیں تو پھر اس کے جواب کی ذمہ داری ہم پر کس طرح عائد ہوسکتی ہے۔ پہلے آپ اس واقعہ کی صحت ہماری کتابوں سے ثابت کریں پھر ہم سے اس کا جواب لیں۔ اگر کوئی دشمن علی اس واقعہ کو اپنی کتاب میں درج کرلے تو وہ آپ کے لئے سند ہوسکتا ہے۔ ہمارے لئے کسی طرح حجت نہیں ہوسکتا۔ شاید معترض

نے کتب تاریخ اسلامیہ کی سیر نہیں کی ہے ورنہ اس واقعہ کے لکھنے کی وہ جرأت نہ کرتے۔ ان کو معلوم نہیں کہ مدتوں منبروں پر حضرت علی پر (پناہ بخدا) سب و شتم کیا گیا ہے۔ فضائل حضرت علی کی اخفاء کی کوششیں کی جاتی تھیں۔ معائب و مثالب اختراع کر کے حضرت کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے وقائع اوسی زمانہ کے گڑھے ہوئے ہیں[لہ]۔ بہر کیف میں اس واقعہ کے جواب کا اسی وقت ذمہ دار ہو سکتا ہوں کہ ہماری مستند کتابوں سے مع قید صفحہ وغیرہ یہ واقعہ ثابت کر دیا جائے۔ ہمارے یہاں کے علمائے اعلام میں سے جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ اس روایت باطلہ کی رد میں اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء میں تحریر فرماتے ہیں قلنا هذا الخبر باطل موضوع غیر معروف ولا ثابت عند اهل النقل وانما ذکر ذلک الکرابیسی طاعنا به علی امیر المومنین معارضا بذکرہ لبعض ما یذکر شیعته من الاخبار فی اعدائه وهیهات ان یشبه الحق بالباطل۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ خبر باطل۔ موضوع۔ غیر معروف ہے جو اہل نقل کے نزدیک ثابت نہیں۔ کرابیسی نے اس خبر کو صرف علی بن ابی طالب پر طعن کرنے کی غرض سے ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ شیعہ دشمنان علی کے باب میں جو روایتیں پیش کرتے ہیں وہ اس خبر باطل سے ان کا معارضہ کرے اور بھلا کہیں حق باطل کے مشابہ ہو سکتا ہے۔ اسکے بعد علم الہدیٰ رح نے اور وجوہ بھی اسکے بطلان کے ذکر فرمائے ہیں۔ جن کو میں نے بخیال طول ترک کر دیا۔ اس عبارت سے بخوبی واضح ہو گیا کہ شیعہ اس خبر کی صحت کے قائل نہیں پھر ہم اسکے جواب کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ دشمنان حضرت علی اگر کسی واقعہ کو

لہ اسکی مزید توضیح اس رسالہ کے آخر میں ملاحظہ ہو ۱۲

اختراع کرکے لکھیں تو ہم پر حجت نہیں۔ خدا تو فرماتا ہے فانکحوا ما طاب لکم الخ اور رسول اس پر غضبناک ہوں۔ کون سا عاقل اسکو تسلیم کرے گا۔ یہ بھی عدم صحت خبر کی دلیل واضح ہے۔ میں اپنے مہربان معترض سے کمال خلوص سے کہتا ہوں کہ آپکی استعداد وتبحر علمی کا انکشاف اسی امر سے ہوتا ہے کہ آپ نے لفظ فاطمہ پر الف لام داخل کرکے الفاطمہ تحریر کیا ہے۔ آپکو نہیں معلوم کہ نحوی قاعدہ سے لفظ فاطمہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف پر اس موقع خاص پر الف لام نہیں داخل ہو سکتا۔ آپ نے جہاں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے ذرا زحمت کرکے پھر دیکھ لیجئے گا الف لام کا وجود نہ ہوگا۔ آپکا علم صرف اردو کتابوں تک محدود معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب آپ اس میدان کے مرد نہیں تو عبث کیوں اس وادی میں قوت آزمائی کرتے ہیں۔

اب لیجئے سوال کا دوسرا جزو۔ آپنے ایمان جناب صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق جو یہ دریافت کیا ہے کہ اگر ابوبکر سے رضا کی حالت میں انکی موت واقع نہ ہوئی تو وہ کس فتوے کے ماتحت آتی ہیں۔ مجھے آپ کی اس جسارت پر کمال تحیر وتعجب ہوا۔ سنئے فاطمہ زہرا خود معیار نجات ہیں۔ جس نے ان کو دوست رکھا مستحق جنت ہے اور جس نے ان کو ناخوش کیا سزاوار جہنم ہے۔ ان کا غضب غضب خدا۔ انکی رضا رضائے خدا۔ علی کے علاوہ غیروں کی خلافت انکے نزدیک خلافت باطلہ تھی اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔ لہذا ماورا خلافت حضرت علی علیہ السلام کسی کی امامت کا اقرار ان کے لئے جائز نہ تھا اور نہ خود حضرت علی نے دوسروں کی خلافت کو بحق سمجھا نہ حضرت علی کے خطبہ سے اوروں کی حکومت خلافت حقہ ثابت ہوتی ہے جسکے

متعلق رسالہ تائید حق میں کمال تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے پس جب غیر علی بن ابی طالب کسی کی امامت ان کے نزدیک جائز ہی نہ تھی تو اس پر ایمان لانے کی تکلیف شرعی ان پر کس طرح عائد ہو سکتی ہے۔ لہذا جناب معصومہ کی موت عین دین و عین ایمان پر واقع ہوئی۔ البتہ کلام ان لوگوں کے متعلق کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں نے فرمان رسول کی مخالفت کر کے فاطمہ زہرا کو غضبناک کیا اور اسی عالم میں ان کی موت واقع ہوئی۔ ان کا انجام کیا ہوگا۔

آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کا یہ قول ما کانت لی فی الولایۃ ارب مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہ تھی پیش کر کے عدم استحقاق خلافت پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ یہ آپکی خام خیالی و عدم واقفیت کی ایک واضح دلیل ہے۔ حضرت کا یہ کلام قطعاً اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ آپ مستحق خلافت نہ تھے۔ ذرا الفاظ پر پھر نظر غائر کر لیجئے۔ مقصد اس کلام کا یہ ہے کہ چونکہ حضرت اپنے حق واقعی سے محروم کر دیئے گئے تھے پس جب بعد موت خلیفہ سوم آپکی طرف رجوع کی گئی تو مقام اظہار رنج والم میں آپ نے یہ کلمات فرمائے جس کا منشا صرف اسی قدر ہے کہ اب تک جب میں اپنے حق سے محروم رہا تو اب مجھے بھی کوئی خواہش خلافت کی نہیں ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی شرح جلد دوم ص۱۷۱ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ جس سے اسی مطلب کی تائید ہوتی ہے۔

هذا کلام متبرم شاک من اصحابہ یقول لہ دعونی والتمسوا غیری علی طریق

یہ کلام مثل اس شخص کے کلام کے ہے جو اپنے ساتھیوں سے شکایت رکھتا ہو اور ان سے بطور حزن و ملال ان کے افعال پر اظہار ناراضی کے لئے کہہ رہا ہو

المضجر منهم والمتبرم بهم والمتسخط لافعالهم لانهم كانوا اعدلوا عنه من قبل و اختاروا عليه فلما طلبوه بعد اجابهم جواب المتسخط العاتب وحمل قوم منهم الكلام على وجه آخر فقالوا انه اخرجه مخرج التهكم والسخرية اى انا لكم وزيرا خير منى لكم اميرا فيما تعتقد ونه كما قال سبحانه ذق انك انت العزيز الكريم اى تزعم لنفسك ذالك وتعتقد لا

کہ مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈھ لو۔ اس لیئے کہ وہ لوگ اسکے قبل حضرت علی سے کنارہ کشی کر چکے تھے اور غیروں کو ان پر ترجیح دے چکے تھے پس جب ان لوگوں نے آپ سے قبول خلافت کی خواہش کی تو آپ نے ان کو ویسا ہی جواب دیا جو ناخوش ہوکر عتاب کرنے والا جواب دیتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کلام کو ایک دوسری وجہ پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت نے ان لوگوں سے بطور استہزا فرمایا ہے یعنی میرا وزیر ہونا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں تمہارے اعتقاد کے مطابق امیر بنوں جیسا کہ خدا نے (اہل جہنم) سے فرمایا چکھ۔ بے شک تو عزیز کریم ہے یعنی اپنے نفس کے لئے ایسا گمان (اعتقاد) رکھتا ہے۔

اب تو یہ مسئلہ بخوبی واضح ہوگیا ہوگا کہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب کے کلام کا مطلب واقعی کیا ہے۔ اس کلام سے عدم صلاحیت خلافت ہرگز ثابت نہیں ہوتی لیکن اس کے برخلاف حضرت ابوبکر کے قول کو

ذرا دیکھئے کہ وہ برابر کہتے رہے اقیلونی اقیلونی فانی لست بخیر کم وعلی فیکم۔ مجھے معاف کرو۔ مجھے معاف کرو۔ میں تم لوگوں میں افضل نہیں ہوں درانحالیکہ علی تمہارے درمیان میں موجود ہیں۔ اور کبھی یوں کہتے تھے ولیتکم ولست بخیر کم میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا حالانکہ میں تم لوگوں کے درمیان میں بہتر نہیں ہوں اور کبھی پرانی رسم جاہلیت کے موافق ان لی شیطانا یعتر یثی کا ڈنکا بجاتے تھے۔ میرا ایک شیطان ہے جو مجھے پیش آیا کرتا ہے۔ اور کبھی فرماتے تھے ان استقمت فاعینونی وان زغنت فقومونی اگر میں استقامت اختیار کروں تو میری مدد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ یہ وہ کلمات ہیں جن سے ظاہر بظاہر حضرت ابو بکر کی عدم صلاحیت خلافت ثابت ہوتی ہے۔ خود اقرار کر رہے ہیں کہ لست بخیر کم وعلیٌ فیکم اگر یہ کلام صادق ہے تو عدم اہلیت خلافت باقرار خود مسلم ہے اور اگر یہ قول کاذب ہے تو بھلا کاذب مستحق منصب خلافت کیسے ہو سکتا ہے۔ نہیں معلوم جناب خلیفہ اول نے ان لی شیطانا یعتریثی سے کس کو مراد لیا ہے۔ زمانہ جاہلیت کی رسوم میں سے ایک یہ بھی رسم تھی کہ ہر شخص کے لئے ایک مخصوص شیطان سمجھا جاتا تھا جس کا تذکرہ اشعار عرب میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک شاعر عرب کہتا ہے

فانّ شیطانی امیر الجنّ  یذھب بی فی الشعر کل فنّ

میرا شیطان سردار جن ہے جو مجھے شعر میں ہر فن کی طرف لے جاتا ہے یہاں پر جو مراد متکلم ہو اس کو قائل ہی سمجھ سکتا ہے۔

## جواب تحقیق مسح قدمین

ہمارے قابل دوست نے آیت وضو کو پیش کر کے غسل قدمین پر

استدلال فرمایا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں "ارجلکم منصوب ہے اور نصب دینے والا فاغسلوا فعل ہے۔ اگر وامسحوا کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا تو ارجلِکم آتا یعنے مجرور چاہیے تھا مگر قرأت مذکورہ میں مجرور نہیں بلکہ منصوب ہے جو زبردست ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ فاغسلوا سے متعلق ہے"۔ پھر تحریر کرتے ہیں "کہ اس میں شک نہیں کہ اسکی ایک قرأت لام کے زیر سے بھی آئی ہے۔ بر بنائے تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جر جوار ہے یعنے ساتھ کے لفظ کی وجہ سے اس پر زیر آگئی ہے ورنہ نصب کا محل تھا اور اسکی مثالیں کلام عرب میں پائی جاتی ہے جیسے عالیھم ثیابُ سندسٍ خضرٌ واستبرقٌ چونکہ ثیاب مضاف ہے اور استبرق مضاف الیہ ہے اس لئے سندسٍ کی طرح استبرقٍ چاہیئے تھا مگر خضرٌ کی مجاورت کی وجہ سے استبرقٌ آیا ہے" یہاں تک ہمارے فاضل مخاطب کا افادہ علمیہ تھا جس پر ہر وہ شخص جس کو علم سے کچھ بھی لگاؤ ہوگا بہت وجد کریگا۔ میں ممدوح کی اردو عبارت سے کچھ بحث نہ کرونگا تاکہ میرے کلام کو طول نہ ہو۔ محض نفس جواب مسئلہ پر اکتفا کرونگا۔ اس مقام پر مجھکو اس قدر کہنا ہے کہ چونکہ آج کل صنف اناث کا غلبہ ہے اور انھیں کی ہر طرف قدر ہے اسی لئے معترض کی زبان میں بیچارہ زیر بھی مونث بن گیا تاکہ اب تو اسکی کچھ قدر ہو۔ بہرکیف مولانا نے ایک قرأت کی بنا پر کسر لام کی توجیہ فرمائی ہے کہ یہ جر جوار ہے۔ مقصود ان کا یہ ہے کہ اگرچہ ارجلِکم کسر لام ہی کے ساتھ کیوں نہ پڑھا جائے مگر جب بھی غسل قدمین ہی ثابت ہوگا اس لئے کہ کسرہ صرف برؤسکم کی مجاورت کی وجہ سے آگیا ہے۔ میں اپنے ممدوح سے پہلے تو یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ یہ فرمائیں کہ جب کسی لفظ پر مجاورت کی وجہ سے کوئی

اعراب آتا ہے تو نحویوں نے اسکے لئے کیا کیا شرطیں قرار دی ہیں اگر آپ کو یہ معلوم نہ ہو تو ذرا زحمت کر کے تفسیر کبیر امام رازی کا مطالعہ فرمائیے۔ تفسیر کبیر جلد سوم صنہ ۳۸۰ مطبوعہ مصر میں وہ نقل کرتے ہیں:۔

فان قیل لم لا یجوز ان یقال ھذا کسر علی الجوار کما فی قوله جحر ضب خرب قلنا ھذا باطل من وجوه الاول ان الکسر علی الجوار معدود فی اللحن الذی قد یتحمل لاجل الضرورة فی الشعر وکلام الله یجب تنزیهه عنه و ثانیها ان الکسر انما یصار الیه حیث یحصل الامن من الالتباس کما فی قوله جحر ضب خرب فان من المعلوم بالضرورة ان الخرب لا یکون نعتا للضب بل للجحر وفی ھذه الآیة

پس اگر کہا جائے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ جرّ جوار ہو جس طرح قول عرب جحر ضب خراب میں ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ (کسر جوار) کئی وجہوں سے باطل ہے پہلے یہ کہ کسر جوار اوس غلطی میں شمار کیا جاتا ہے جس کا تحمل ضرورت شعریہ کی وجہ سے کیا جا سکتا ہے اور کلام خدا کا اس سے پاک ہونا واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ جرّ جوار اُس موقع پر اختیار کیا جا سکتا ہے جہاں التباس کا خوف نہ ہو جیسا کہ اس مثال میں ہے جحر ضب خرب کیونکہ بالبداہت یہ بات معلوم ہے کہ لفظ خرب ضب کی صفت نہیں ہو سکتی بلکہ جحر کی صفت ہو گی۔ اور اس آیت میں التباس سے امن حاصل نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ کسر جوار بغیر حرف عطف ہو سکتا ہے لیکن

الامن من الالتباس غیر حاصل وثالثہا ان الکسر بالجوار انما یکون بدون حرف العطف واما مع حرف العطف فلم تتکلم به العرب

حرف عطف کے ساتھ پس عرب نے اس طور سے کہیں کلام نہیں کیا ہے۔ اور نہ اس طرح استعمال کیا ہے۔

کہیے جناب مولانا آپ کی وہ عربیت ونحویت کدھر تشریف لے گئی۔ میں تو ساکت رہا۔ لیکن آپ کے امام نے اس کو تسلیم کر کے خود آپ کو مجوج کر دیا۔ اور یہیں سے آپکی پیش کردہ مثال عالیہم ثیاب سندس خضر واستبرق کا جواب بھی حل ہوا جاتا ہے کہ رفع بالجوار اوسی وقت ہو سکتا تھا کہ جب واؤ عاطفہ یہاں پر موجود نہ ہوتا۔ باقی رہا لفظ استبرق کا رفع۔ پس وہ اس بنا پر ہے کہ اس کا عطف ثیاب پر واقع ہوا ہے نہ کہ جوار خضر کی وجہ سے۔ ملاحظہ فرمائیے تفسیر کبیر جلد ہشتم تفسیر سورہ ہل اتیٰ۔

بہرحال اب اپنے اصل مسئلہ کو لیجئے۔ میں کہتا ہوں کہ ارجلکم کو آپ منصوب پڑھیں یا مجرور لیکن بہرصورت مسح قدمین ہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر کسر لام سے اس کو پڑھئے تو ظاہر ہے کہ برؤسکم کے تحت میں واقع ہوگا جس کا تعلق وامسحوا سے ہے۔ اور جر جوار باطل کیا جا چکا ہے۔ پس اس بنا پر بالبداہت مسح قدمین ہی ثابت ہوگا اور اگر اس کو منصوب پڑھا جائے تو چونکہ محل نصب میں واقع ہے اور وامسحوا کا معمول منصوب ہے جب بھی مسح قدمین ہی ثابت ہوگا۔ پھر دیکھئے تفسیر کبیر جلد ثالث ص ۳۸۱ جس میں بصراحت یہ لکھا ہوا ہے:

واما القرائة بالنصب
فقالوا انها ايضا توجب
المسح وذالك لان
قوله وامسحوا برؤسكم
فرؤسكم فی محل
النصب ولكنها مجرورة
بالباء فاذا عطفت
الارجل على
الرؤس جاز فی الارجل
النصب عطفا على
محل الرؤس والجر عطفا
على الظاهر وهذا
مذهب مشهور للنحاة
فاذا ثبت هذا فنقول
ظهر انه يجوز ان يكون
عامل النصب فی قوله
وارجلكم هو قوله وامسحوا
ويجوز ان يكون هو
قوله واغسلوا لكن
العاملين اذا اجتمعا
على معمول واحد كان
اعمال الاقرب اولى

لیکن ارجلکم کو زبر کے ساتھ پڑھنا۔
پس مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بھی مسح
کو واجب کرتا ہے۔ اس لئے کہ قول
خدا وامسحوا برؤسکم میں لفظ رؤس
محل نصب میں ہے لیکن بار کی وجہ
سے مجرور ہے۔ پس جب ارجل کا رؤس
پر عطف ہوگا تو ارجل میں عطف
علے المحل کے لحاظ سے نصب جائز
ہوگا اور عطف علے الظاہر کی بنا پر جر
بھی جائز ہوگا اور یہ نحویوں کا
مذہب مشہور ہے۔ پس جب یہ ثابت
ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ
قول خدا وارجلکم میں عامل نصب
قول خدا وامسحوا ہو اور قول خدا
واغسلوا ہو۔ لیکن جب دو عامل
ایک معمول کے لئے جمع ہو جائیں
تو عامل قریب کو عمل دینا زیادہ
بہتر ہے۔ پس واجب ہوا
کہ وارجلکم میں عامل
نصب قول خدا وامسحوا
ہو۔ پس ثابت ہو گیا کہ ارجلکم
کو لام کے زبر سے بھی پڑھنا

فوجب ان یکون عامل النصب فی قوله وارجلکم هو قوله وامسحوا فثبت ان قرائة وارجلکم بنصب اللام توجب المسح ایض فهذا وجه الاستدلال بهذه الآیة علی وجوب المسح ثم قالوا ولا یجوز دفع ذالک بالاخبار لانها باسرها من باب الآحاد ونسخ القرآن بالخبر الواحد لا یجوز۔

مسح ہی کو واجب کرتا ہے۔ پس یہ ہے وجہ استدلال اس آیت سے وجوب مسح پر۔ پھر مفسرین نے کہا ہے کہ اس استدلال کو اخبار سے رد کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ کل حدیثیں (جو غسل پر دال ہیں) از قبیل احاد ہیں اور قرآن کو خبر واحد سے منسوخ کرنا جائز نہیں۔

اب تو بخوبی یہ امر ظاہر ہوگیا کہ ارجلکم خواہ زبر سے پڑھا جائے یا زیر سے۔ لیکن ہر حال میں مسح رجلین ہی ثابت ہوگا اور اسکو بھی خوب یاد رکھئے گا کہ عبارت سابقہ میں تصریح موجود ہے کہ غسل رجلین پر جو احادیث دلالت کرتی ہیں از قبیل احاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن کا نسخ جائز نہیں ہوسکتا۔ مجھے خوف ہے کہ ہمارے معترض صاحب مقام عجز میں آکر ابن ابی الحدید کی طرح کہیں امام رازی کو بھی شیعی المسلک نہ قرار دیدیں۔ پھر لطف یہ کہ وہ تحریر کرتے ہیں فنقل القفال فی تفسیرہ عن ابن عباس وانس بن مالک وعکرمه والشعبی وابی جعفر محمد بن علی الباقر ان الواجب فیهما المسح یعنے قفال نے اپنی تفسیر میں ابن عباس و انس بن مالک و عکرمه و شعبی و امام محمد

باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ واجب رجلین میں مسح ہے۔ اب اس کے بعد ملاحظہ کیجیے کہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر در منثور جلد دوم ص۲۶۲ میں لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| (۱) اخرج البیہقی فی سننه عن رفاعه بن رافع ان رسول اللهؐ قال للمسیئ صلواته انها لا تتم صلاة احدکم حتے یسبغ الوضوء کما امره الله یغسل وجهه ویدیه الی المرفقین ویمسح براسه ورجلیه الی الکعبین۔ | (۱) بیہقی نے اپنے سنن میں رفاعہ بن رافع سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے اس شخص سے جو اپنی نماز کو اچھی طرح بجا نہ لاتا تھا فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز تمام نہ ہوگی جب تک کہ وہ وضو کو کامل نہ کرے جس طرح کہ خدا نے اس کو حکم دیا ہے۔ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھوئے اور سر اور پیروں پر مسح کرے |
| (۲) واخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس فی قوله وامسحوا برؤسکم وارجلکم قال هو المسح۔ | (۲) ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ قول خدا۔ مسح کرو اپنے سر اور پیروں کا۔ میں مسح ہی مراد ہے۔ |
| (۳) اخرج عبد الرزاق وابن ابی شیبه وابن ماجه عن ابن عباس | (۳) عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ |

قال ابی الناس الا الغسل
ولا اجد فی کتاب اللہ
الا المسح۔
(۴) اخرج عبد الرزاق
وابن جریر عن ابن عباس
قال الوضوء غسلتان
ومسحتان
(۵) اخرج ابن ابی شیبہ
عن عکرمہ مثلہ
(۶) اخرج عبد الرزاق
وعبد بن حمید عن
ابن عباس قال افترض
اللہ غسلتین ومسحتین
الا ترے انہ ذکر
التیمم فجعل مکان
الغسلتین مسحتین
وترک التیمم
(۷) اخرج ابن جریر و
ابن المنذر عن قتادہ
مثلہ
(۸) اخرج سعید بن
منصور وابن ابی شیبہ

اونھوں نے کہا کہ لوگ پیروں
ہی کو دھوتے ہیں اور میں کتاب
خدا میں نہیں پاتا ہوں مگر مسح کو۔
(۴) عبد الرزاق اور ابن جریر
نے ابن عباس سے نقل کیا ہے
کہ کہا وضو غسلتین (ہاتھ اور منہ کا دھونا)
اور مسحتین (مسح سر اور مسح قدمین) کا نام ہے
(۵) ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے
مثل اسی کے نقل کیا ہے۔
(۶) عبد الرزاق اور عبد بن حمید نے
ابن عباس سے نقل کیا ہے اونھوں نے
کہا کہ خدا نے غسلتین (چہرہ اور ہاتھوں
کا دھونا) اور مسحتین (مسح سر و قدمین) کو
فرض کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے
کہ خدا نے تیمم کا ذکر کیا اور غسلتین کا
قائم مقام مسحتین (چہرہ اور ہاتھ کا مسح)
قرار دیا اور مسحتین یعنی مسح سر و قدمین کو (تیمم میں) چھوڑ دیا۔
(۷) ابن جریر اور ابن منذر نے
قتادہ سے مثل اسی کے نقل
کیا ہے۔
(۸) سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ
اور ابن جریر نے انس سے روایت

وابن جرير عن انس انه
قيل له ان الحجاج
خطبنا فقال اغسلوا
وجوهكم وايديكم
وامسحوا برؤسكم
وارجلكم وانه ليس
شئي اقرب الى الخبث
من قدميه فاغسلوا
بطونهما وظهورهما و
عراقيبهما فقال انس
صدق الله وكذب
الحجاج قال الله وامسحوا
برؤسكم وارجلكم
وكان انس اذا مسح
قدميه بلهما

(۹) اخرج عبد الرزاق
وابن ابي شيبه وعبد
بن حميد وابن جرير
عن الشعبي قال نزل
جبرئيل بالمسح على
القدمين الا ترے ان
التيمم ان يمسح ما

کی ہے ۔ ان سے کہا گیا کہ
حجاج نے ہمارے سامنے
خطبہ پڑھا ۔ پس کہا کہ اپنے
چہرے اور ہاتھوں کو
دھوؤ اور سر اور پیروں
کا مسح کرو اور بے شک ابن
آدم کے لئے کوئی چیز قدمین
سے زیادہ نجاست کے قریب
نہیں پس اس کے تلووں اور
اینڈیوں کو دھوؤ ۔ انس
نے کہا کہ خدا نے سچ فرمایا
اور حجاج جھوٹا ہے ۔
خدا نے کہا کہ مسح کرو اپنے سر
اور پیروں کا ۔ اور انس جب قدمین
پر مسح کرتے تھے تو انکو تر کر دیتے تھے ۔

(۹) عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ
اور عبد بن حمید اور ابن جریر
نے شعبی سے نقل کیا ہے ۔ اس نے
کہا کہ جبرئیل مسح قدمین کو لائے
ہیں ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ
تیمم یہ ہے کہ مسح کرے ان اعضاء
کا جو دھوئے جاتے ہیں اور ترک

كان غسلا ويلغي ما كان مسحا

کر دے ان اعضا کو جہاں مسح ہے۔

(۱۰) اخرج عبد بن حميد عن الاعمش والنحاس عن الشعبي قال نزل القرآن بالمسح وجرت السنة بالغسل

(۱۰) عبد بن حمید نے اعمش اور نحاس سے اور ان دونوں نے شعبی سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ قرآن مسح کو لایا ہے اور طریقہ غسل کا جاری ہو گیا ہے۔

(۱۱) اخرج ابن جرير عن انس قال نزل القرآن بالمسح والسنة بالغسل۔

(۱۱) ابن جریر نے انس سے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ قرآن مسح کے ساتھ نازل ہوا ہے اور طریقہ غسل کا ہو گیا۔

ان روایات سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید سے مسح ہی کا حکم ثابت ہے۔ اگر کسی کا عمل خلاف قرآن ہو تو وہ ہرگز قابل سند نہیں ہو سکتا۔ ترکیب نحوی بھی اسی کی مساعدت کر رہی ہے۔ حدیث رفاعہ بن رافع نے حکم رسول خدا بھی بتلا دیا۔ اب اس کے بعد ذرا امام احمد بن حنبل کی روایتوں پر نظر کیجئے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔

(۱۲) مسند امام احمد جلد اول ص۵۸۔ عبد الله حدثني ابي ثنا محمد بن جعفر ثنا سعيد عن قتادة عن مسلم بن يسار عن حمران بن ابان عن عثمان

(۱۲) مسند امام احمد جلد اول ص۵۸ عبد اللہ نے باسناد مذکورہ عثمان بن عفان سے روایت کی ہے کہ اونہوں نے وضو کے لئے پانی طلب کیا اور کلی کی اور استنشاق کیا۔ پھر اپنے چہرے اور

بن عفان رض انه دعا بماء
فتوضأ ومضمض واستنشق
ثم غسل وجهه ثلاثا
وذراعيه ثلاثا ثلاثا
ومسح براسه وظهر قدميه
ثم ضحك فقال لاصحابه
الا تسئلونی عما اضحكنی
فقالوا مما ضحكت يا
امير المومنين قال
رأيت رسول الله صلعم دعا
بماء قريبا من هذه
البقعة فتوضأ كما توضأت
ثم ضحك فقال الا تسئلونی
ما اضحكنی فقالوا ما اضحكك
يا رسول الله قال ان
العبد اذا دعا بوضوء فغسل
وجهه حط الله عنه كل
خطيئة اصابها بوجهه
واذا غسل ذراعيه
كان كك وان مسح براسه
كان كك واذا طهر قدميه
كان كك

دونوں ہاتھوں کو تین تین مرتبہ
دھویا اور اپنے سر اور پشت
قدمین کا مسح کیا۔ پھر ہنسے
اور کہا کہ کیا تم لوگ میرے ہنسنے
کا سبب مجھ سے نہ پوچھو گے۔
لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین
آپ کے ہنسنے کا کیا سبب ہے
کہا کہ میں نے رسول خدا کو اسی
بقعہ کے قریب دیکھا کہ آپ نے
پانی طلب کیا اور جس طرح میں نے
وضو کیا ہے حضرت نے بھی وضو
کیا پھر ہنسے اور فرمایا کہ کیا
مجھ سے میرے ہنسنے کا سبب تم
لوگ نہ پوچھو گے۔ سب نے عرض
کی کہ آپ کے ہنسنے کا کیا سبب
ہے فرمایا کہ بندہ نے جب آب وضو
طلب کیا اور چہرہ کو دھویا تو
خدا ان گناہوں کو بخشتا ہے
جو چہرے سے ہوئے ہیں اور
جب ہاتھ دھوتا ہے اور سر کا
مسح کرتا ہے قدموں کو طاہر کرتا
ہے ایسا ہی ہوتا ہے۔

(۱۳) مسند جلد ۱ ص ۹۵
حدثنا عبد الله حدثنی
ابی ثنا وکیع ثنا الاعمش
عن ابی اسحاق عن عبد
خیر عن علی رض قال
کنت اری ان باطن
القدمین احق بالمسح
من ظاهرهما حتی رأیت
رسول الله یمسح ظاهرهما

(۱۴) مسند جلد ۱ ص ۶۷
حدثنا عبد الله حدثنی
ابی ثنا ابن الاشجعی
ثنا ابی عن سفیان عن
سالم ابی النضر عن
بسر بن سعید قال
اتی عثمان المقاعد فدعا
بوضوء فتمضمض و
استنشق ثم غسل
وجهه ثلاثا ویدیه
ثلاثا ثلاثا ثم مسح
براسه ورجلیه ثلاثا
ثلاثا ثم قال رایت

(۱۳) مسند جلد ۱ ص ۹۵ عبد اللہ نے
باسناد مذکورہ حضرت علی
سے روایت کی ہے آپ نے
فرمایا کہ میں باطن قدمین کے
مسح کو زیادہ اچھا سمجھتا ہوں
مگر یہ کہ میں نے رسولخدا کو دیکھا
کہ وہ ظاہر قدمین
کا مسح فرمایا کرتے
تھے۔

(۱۴) مسند جلد ۱ ص ۶۷ عبد اللہ نے
باسناد مذکورہ روایت کی ہے
کہ عثمان مقام مقاعد میں آئے
اور آب وضو کو طلب کیا۔ پس
کلی کی اور استنشاق کیا پھر
اپنے چہرے اور ہاتھوں کو تین
تین بار دھویا۔ پھر اپنے
سر اور پیروں پر تین
مرتبہ مسح کیا۔ پھر کہا کہ
میں نے رسولخدا کو دیکھا کہ
اسی طرح وضو فرماتے
تھے۔

اے لوگو! ایسا ہی

رسول اللہ صلعم هكذا
يتوضؤ يا هولاء كذالك
قالو انعم لنفر من
اصحاب رسول اللہ
عندہ ۔

(۱۵) مسند جلد ا ص ۱۱۴
حدثنا عبد الله ثنا
اسحاق بن اسماعیل
ثنا وکیع ثنا الاعمش عن
ابی اسحاق عن عبد
خیر عن علی رض قال کنت
اریٰ ان باطن القدمین
احق بالمسح من ظاهرهما
حتی رایت رسول اللہ
یمسح ظاهرهما

(۱۶) مسند جلد ا ص ۱۱۶
حدثنا عبد الله حدثنی
ابی ثنا اسحاق بن یوسف
عن شریک عن السدی
عن عبد خیر قال رایت
علیا رض دعا بماء لیتوضأ
فتمسح به تمسحا ومسح علی

ہے ؟ سب نے
کہا ہاں ۔ اور اصحاب
رسول گے کئی شخص
ان کے پاس موجود
تھے ۔

(۱۵) مسند جلد ا ص ۱۱۴ ۔ عبد اللہ
نے باسناد مذکورہ حضرت
علی سے روایت کی ہے ۔
آپ نے فرمایا کہ میں باطن
قدمین پر مسح کرنے کو زیادہ
بہتر سمجھتا ہوں مگر یہ کہ
میں نے رسولخدا صلعم کو
دیکھا کہ وہ حضرت
ظاہر قدمین پر مسح
فرمایا کرتے تھے

(۱۶) جلد ا ص ۱۱۶ ۔ عبد اللہ نے
باسناد مذکورہ عبد خیر سے
روایت کی ہے اس نے
کہا کہ میں نے حضرت علی کو
دیکھا کہ آپ نے وضو کے
لئے پانی طلب کیا اور اس
سے خوب مسح کیا اور پشت قدمین

ظہر قدمیہ ثم قال
ھذا وضوء من لم یحدث
ثم قال لولا انی رایت
رسول اللہ ص مسح علی ظہر
قدمیہ رایت ان بطونہما
احق ثم شرب فضل وضوئہ
وھو قائم ثم قال این
الذین یزعمون انہ لا ینبغی
لاحد ان یشرب قائما
(۱۷) مسند جلد ۱ صـ ۱۲۴
حدثنا عبد اللہ ثنا اسحاق
بن اسماعیل وابوخیثمہ
قال حدثنا وکیع ثنا
الاعمش عن ابی اسحاق عن
عبد خیر عن علی قال
کنت اری ان باطن
القدمین احق بالمسح
من ظاہرھما حتی رایت
رسول اللہ یمسح ظاہرھما
(۱۸) مسند جلد ۱ صـ ۱۲۴
حدثنا عبد اللہ ثنا اسحاق
ثنا سفیان مرۃ اخری قال

پر مسح کیا۔ پھر فرمایا کہ یہ وضو
اُس شخص کا ہے کہ جس سے
حدث نہ واقع ہوا ہو۔ پھر
ارشاد ہوا کہ اگر میں رسولخدا کو پشت
قدمین پر مسح کرتے نہ دیکھتا تو باطن
قدمین کا مسح میرے نزدیک زیادہ
بہتر ہوتا پھر آپ نے بقیہ آب وضو کو
استادہ پی لیا اور فرمایا وہ لوگ
کہاں ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ بحالت
قیام پانی نہ پینا چاہیئے
(۱۷) مسند جلد ۱ صـ ۱۲۴ ۔ عبد اللہ
نے باسناد مذکورہ عبد خیر
سے روایت کی ہے
اس نے کہا کہ حضرت
علی نے فرمایا کہ میں
باطن قدمین کا مسح زیادہ
بہتر سمجھتا ہوں مگر
میں نے رسولخدا کو دیکھا
کہ وہ حضرت ظاہر
قدمین پر مسح فرمایا کرتے تھے۔
(۱۸) عبد اللہ نے بسلسلہ مذکورہ
روایت کی ہے۔ سفیان
نے کہا کہ میں نے حضرت علی

رایت علیا توضا فمسح
ظهورهما

(۱۹) مسند جلد ۱ ص ۱۵۳
حدثنا عبد الله حدثنی
ابی ثنا بهز ثنا شعبة عن
عبد الملك بن میسرة قال
سمعت النزال بن سبرة
قال رایت علیا رض صلی
الظهر ثم قعد لحوائج الناس
فلما حضرت العصر اتی
بتور من ماء فاخذ منه کفا
ومسح وجهه وذراعیه
وراسه ورجلیه ثم
اخذ فضله فشرب قائما
وقال ان ناسا یکرهون
هذا وقد رایت رسول
الله یفعله هذا وضوء
من لم یحدث۔

(۲۰) مسند جلد ۴ ص ۴۰
حدثنا عبد الله حدثنی
ابی قال قرات علی
عبد الرحمن بن زید

کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا اور
پشت قدمین پر مسح کیا۔

(۱۹) مسند جلد ۱ ص ۱۵۳۔ عبد اللہ
نے اپنے سلسلہ روایت
سے نزال بن سبرہ سے روایت
کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں
نے علی کو دیکھا کہ آپ نے
نماز ظہر پڑھی پھر لوگوں کے
حوائج پورا کرنے کے لئے بیٹھ
گئے۔ پس جب عصر کا وقت
آیا تو ایک ظرف آب حاضر
کیا گیا۔ آپ نے ایک چلو
پانی لیا اور اپنے چہرہ اور
ہاتھوں پر پھیرا اور سر و قدمین کا
مسح کیا۔ پھر بقیہ آب کو بحالت
قیام نوش فرمایا اور ارشاد کیا کہ
کچھ لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں اور میں نے
رسول کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ یہ وضو اس شخص کا ہے جس
حدث نہ ہوا ہو۔

(۲۰) مسند جلد ۴ ص ۴۰۔ عبد اللہ نے
بسلسلہ مذکورہ عباد بن تمیم
سے روایت کی ہے
اور اس نے اپنے

المازنی قال ثنا عبد الله
بن یزید ابو عبد الرحمن
المقری قال ثنا سعید یعنی
ابو ایوب قال حدثنی
ابو الاسود عن عباد بن
تمیم المازنی عن ابیه انه
قال رایت رسول الله
یتوضأ ویمسح بالماء
علے رجلیه

باپ سے نقل
کیا ہے۔ اس نے
کہا کہ میں نے جناب
رسول خدا کو دیکھا
کہ آپ وضو فرماتے
تھے اور پانی سے
اپنے پیروں
پر مسح کرتے
تھے۔

کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ مصر

(۲۱) روی البخاری فی تاریخه
واحمد بن ابی شیبه وابن
ابی عمر والبغوی والباوردی
وغیرهم کلهم من طریق
ابی الاسود عن عباد بن
تمیم المازنی عن ابیه قال
رایت رسول الله یتوضؤ
ویمسح بالماء علے رجلیه

(۲۱) بخاری نے اپنی تاریخ میں اور احمد
اور ابن ابی شیبہ اور ابن ابی عمرو
بغوی اور باوردی وغیرہ ان سب نے
بطریق اسود عباد بن تمیم مازنی سے اور
اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہو کہ اسنے
کہا کہ میں نے رسول خدا کو دیکھا کہ وضو فرماتے
تھے اور پانی سے اپنے پیروں پر
مسح فرماتے تھے۔

کتاب الاستیعاب برحاشیہ کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول صفحہ ۱۸۵
مطبوعہ مصر

(۲۲) روی عنه ابنه عباد
بن تمیم فی الوضوء قال رایت

(۲۲) اس سے اس کے لڑکے
عباد بن تمیم نے وضو کے باب

رسول اللہ یتوضؤ و
یمسح بالماء علےٰ رجلیہ

میں روایت کی ہے اسنے کہا کہ میں نے دیکھا
کہ رسولخدا وضو فرماتے تھے اور پانی سے اپنے پیروں پر
مسح کرتے تھے۔

کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر ترجمہ جابر بن عوف

(۲۳) ذکرہ سعید بن
یعقوب واورد لہ من
طریق یعلی ابن عطاء
عن ابیہ عن اوس بن
ابی اوس واسمہ جابر
بن عوف ان النبی
صلعم و مسح علےٰ قدمیہ

(۲۳) اس (جابر) کا ذکر سعید بن یعقوب نے
کیا ہے اور بطریق یعلی بن عطاء وارد
کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے
اور اس نے اوس بن ابی اوس
سے جس کا نام جابر بن عوف ہے
روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے نماز
پڑھی اور قدمین پر مسح کیا۔

اگر کوئی صاحب عقل ان روایات کثیرہ متواترہ پر نظر کریگا اور انصاف کو کام میں لائیگا تو پھر وجوب مسح کا کوئی شک باقی نہ رہے گا۔ ہمارے قابل دوست نے غسل قدمین کی ایک یہ بھی دلیل تحریر کی ہے کہ "الی الکعبین کی قید اس بات کو بتلاتی ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا مراد نہیں ہے ورنہ یہ قید زائد ہو جائے گی"۔ مجھے اپنے دوست کی اس انوکھی منطق پر کمال وجد آیا۔ حق یہ ہے کہ ان کی یہ معنے آفرینی اور جدت طرازی قابل داد و لائق صد تحسین ہے۔ میں یہاں پر اپنے قابل دوست سے بغیر اس امر کا سوال کئے نہیں رہ سکتا کہ آیا امام رازی اور نیز وہ محدثین و علماء جنہوں نے روایات مسح کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے بلکہ وہ اصحاب رسول و تابعین جن سے مسح کی روایات منقول ہیں۔ فہم و عقل و علم میں آپ سے بالاتر تھے۔ یا آپ کا پایہ علمی ان سب سے بلند ہے آخر انہوں نے الی الکعبین کی قید کو زائد کیوں نہ قرار دیا۔ مہربان من معاملہ

اس کے برعکس ہے۔ یعنی الی الکعبین کی قید وجوب مسح ہی کو ثابت کر رہی ہے۔ اگر غسل قدمین کے قائل ہوجائیں تو اس صورت میں یہ قید زائد ہو جائیگی نہ کہ مسح قدمین کی صورت میں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ امر مسلمات سے ہے کہ کعب پشت قدم کے ایک حصہ کا نام ہے جو مفصل ساق کے تحت میں واقع ہے۔ پس کعبین کی قید اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ تکلیف شرعی کا تعلق ظہر قدم سے ہے۔ جس کا تحقق بغیر مسح کے نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اگر غسل قدمین ہی مراد ہوتا تو الی الکعبین کہنے کی حاجت نہ ہوتی اس لئے کہ غسل کی صورت میں یدین کی طرح ظاہر و باطن قدم کا استیعاب ہو جاتا ہے۔ اور کعب کی قید عبث و بے فائدہ ہوئی جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امام فخر الدین کو بھی کہنا پڑا ان الکعب عبارۃ عن العظم الذی تحت مفصل القدم و علی ھذا التقدیر فیجب المسح علی ظہر القدمین یعنی کعب اوس ہڈی کا نام ہے جو قدم کے جوڑ کے نیچے واقع ہے۔ پس مسح ہی پشت قدمین پر اس لحاظ سے واجب ہوگا۔ دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۱۔ آپ ماشاء اللہ ہر شے کو برعکس سمجھتے ہیں۔ عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است۔ غسل قدمین کی آخری دلیل ہمارے محترم نے فعل رسول اور عمل اصحاب سے پیش فرمائی ہے مگر لطف یہ ہے کہ آپ نے ایک حدیث بھی اپنی تائید میں پیش نہ فرمائی محض زبانی دعوے کر دیا جو عقلاء کا شیوہ نہیں کہ محض دعوے پر اکتفا کرے اور ثبوت کو پس پشت ڈال دے۔ بہرکیف آپ کے جواب کے لئے محض اس قدر کافی ہے کہ روایات سابقہ سے بخوبی واضح ہو گیا کہ عمل رسول مسح ہی پر تھا۔ جناب خلیفہ سوم خود اس کے مدعی ہیں۔ اصحاب رسول نے بھی اسکی تائید کی دیکھئے حدیث نمبر ۱۴۱۔

جناب عثمان مسح ہی فرمایا کرتے تھے دیکھئے حدیث نمبر ۱۲۱ و ۱۲۲ حضرت علی کا عمل مسح ہی پر تھا جیسا کہ کئی روایتوں سے ثابت ہے جو سابقاً لکھی جا چکی ہیں۔ حضرت علی نے اسکی بھی شہادت دی ہے کہ جناب رسولخدا بھی مسح فرمایا کرتے تھے۔ ابن عباس۔ رفاعہ بن رافع قتادہ عکرمہ۔ انس بن مالک وغیرہ وغیرہ وجوب مسح ہی کے قائل تھے۔ یہ وہ روایات ہیں جو مطابق حکم قرآن بھی ہیں۔ جیسا کہ شعبی۔ انس بن مالک ابن عباس نے تصریح کردی کہ قرآن حکم مسح ہی کو لیکر نازل ہوا ہے۔ ترکیب نحوی بھی اسکی موید ہے۔ پس اگر اب اسکے مخالف کوئی حدیث پیش بھی کی جائے گی تو وہ قابل رد ہو گی کیونکہ بتصریح امام رازی جو روایات غسل رجلین پر دال ہیں۔ روایات احاد میں سے ہیں جن سے حکم قرآن منسوخ نہیں ہوسکتا۔ لہذا ہر نہج سے وجوب مسح ہی ثابت ہوتا ہے

## امام بخاری کا اظہار حکم خدا میں تقیہ اور تحریف

خاتمہ کلام میں ایک لطیفہ آپ کو اور سنا دوں۔ سنیئے امام بخاری نے نقل روایت میں تحریف کی اور حکم خدا کے اظہار میں تقیہ سے کام لیا۔ ملاحظہ کیجئے صحیح بخاری جلد سوم باب الشرب قائما ص ۲۰۱ مطبوعہ مصر

حدثنا آدم حدثنا شعبہ حدثنا عبد الملک ابن میسرہ سمعت النزال بن سبرہ یحدث عن علیؓ انه صلی الظہر ثم قعد فی حوائج الناس فی

حدیث بیان کی مجھ سے آدم نے بیان کیا مجھ سے شعبہ نے عبد الملک بن میسرہ سے نقل کر کے سنا میں نے نزال بن سبرہ سے کہ وہ حضرت علی کے متعلق کہتا تھا کہ انھوں نے نماز ظہر ادا کی پھر لوگوں کے حوائج

رحبة الكوفة حتى
حضرت صلوٰة العصر
ثم اتی بماء فشرب
وغسل وجهه ويديه
وذكر راسه ورجليه
ثم قام فشرب فضله
وهو قائم ثم قال ان
ناسا يكرهون الشرب
قائما وان النبی صلعم
مثل ما صنعت

پورا کرنے کے لئے رحبہ کوفہ میں بیٹھ
گئے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت
آگیا پھر پانی حاضر کیا گیا پس آپ نے
پی لیا اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو دھویا
اور اپنے سر اور رجلین کو یاد کیا۔ پھر کھڑے
ہوئے اور بقیہ آب وضو کو پی گئے درانحالیکہ
آپ کھڑے تھے اور ارشاد کیا کہ کچھ
لوگ بحالت قیام پانی پینا مکروہ
سمجھتے ہیں اور جناب رسول خداؐ نے
ویسا ہی عمل کیا جو میں نے کیا۔

اب ذرا امام بخاری کی کارستانی ملاحظہ فرمائیے مسح راسہ ورجلیہ کی جگہ لفظ مسح کو غائب کرکے ذکر راسہ ورجلیہ لکھدیا۔ کیا تحریف کسی اور چیز کا نام ہے اور تقیہ کسی اور شے کو کہتے ہیں کہ حکم خدا کو پوشیدہ کر گئے۔ یہاں تو جان کا خوف بھی نہ تھا۔ پھر تقیہ ان کے لئے کیونکر جائز ہو گیا۔ حالانکہ روایت بہز میں بھی جو نمبر ۱۹ میں درج کیجا چکی ہے لفظ مسح موجود ہے۔ اگر آپ کو میرا کلام باور نہ ہو تو علامہ ابن حجر عسقلانی کی زبان سے سنئے۔ دیکھئے کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد دہم ص ۱۶۵ مطبوعہ مصر میں وہ کیا لکھتے ہیں:-

وفی رواية بهز اخذ
منه كفا فمسح وجهه وذراعيه
وراسه ورجليه وكذلك
عند الطيالسی فغسل وجهه و

اور روایت بہز میں ہے کہ آپ نے اسمیں
سے ایک چلو پانی لیا اور اپنے سر اور
دونوں ہاتھوں پر پھیرا اور دونوں
پیروں پر مسح کیا۔ اور طیالسی کے

ويديه ومسح على رأسه
ورجليه ومثله في
رواية عمرو بن مرزوق
عند الاسماعيلي ويوخذ
منه من انه في الاصل
ومسح على رأسه ورجليه
وان آدم توقف في
سياقه فعبر بقوله وذكر
رأسه ورجليه ووقع
في رواية الاعمش فغسل
يديه ومضمض واستنشق
ومسح بوجهه وذراعيه
وفي رواية علي بن الجعد
عن شعبة عند الاسماعيلي
فمسح بوجهه ورأسه ورجليه

نزدیک اسطرح ہے کہ آپ نے اپنے چہرہ اور دونوں
ہاتھوں کو دھویا اور سر ورجلین کا مسح
کیا اور اسی کے مثل اسماعیلی کے نزدیک
عمرو بن مرزوق کی روایت میں ہے اور
اُن (بخاری) سے مواخذہ کیا جائیگا کہ
اصل روایت میں ومسح علی راسه ورجليه
کا جملہ ہے اور آدم نے اسکے سیاق میں توقف
کیا اور ذکر راسه ورجليه سے مطلب ادا کیا۔
اور روایت اعمش میں ہے پس حضرت
نے اپنے ہاتھوں کو دھویا اور کلی کی
اور استنشاق کیا اور اپنے چہرہ اور دونوں
ہاتھوں اور سر کا مسح کیا اور علی بن جعد کی
روایت میں اسماعیلی کے نزدیک شعبہ سے
مروی ہے کہ اپنے چہرہ اور سر و
رجلین کا مسح کیا۔

جب اس قدر روایات میں لفظ مسح موجود ہے تو پھر اس کے بعد پوشیدہ
کرنے کا سبب بجز اخفاے حکم خدا کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جسکی بنا پر
علامہ ابن حجر عسقلانی کو لکھنا ہی پڑا کہ اصل میں بجاے لفظ ذکر کے مسح
ہے۔ مجھے اپنے انصاف پسند دوست سے امید ہے کہ آج سے غسل
رجلین کو ترک کرکے مسح قدمین پر عمل کرینگے۔

## جواب سوم متعلق حدیث قرطاس

واقعہ قرطاس وہ اعجوبۂ روزگار واقعہ ہے جسکے متعلق عبدالکریم شہرستانی

اپنی کتاب ملل ونحل میں لکھتے ہیں ھو اول اختلاف وقع فی الاسلام
یہ پہلا اختلاف ہے جو اسلام میں رونما ہوا اور درحقیقت بعض نام نہاد
مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کی شان میں اس اسارت ادب کو روا رکھا
اور ایسا گستاخانہ کلمہ نبی کریم کی شان اقدس میں استعمال کیا جو کسی
مذہب کا پیرو اپنے پیشوا کے متعلق ہرگز استعمال نہیں کر سکتا۔ حضرات
اہلسنت اس بدنما دھبہ کو برابر مٹاتے چلے آئے ہیں۔ لیکن جب گہرا
داغ کسی شے پر پڑ جاتا ہے تو پھر وہ بغیر اسکو فنا کئے ہوئے ہرگز مٹ
نہیں سکتا۔
ہمارے مکرم دوست نے بھی جناب خلیفہ دوم کے دامن عزت سے
اس دھبہ کو دھونا چاہا ہے لیکن لن یصلح العطار ما افسد اللہ ھر
زمانہ جس کو بگاڑ چکا عطار اس کو کیا درست کر سکتا ہے۔ موصوف
نے صاحب تحفہ کی گائی ہوئی گیت کو پھر الاپنا شروع کیا ہے اور
ان پرانے اعتراضات کو جنکی محققین علمائے شیعہ نے دھجیاں اُڑا دی
ہیں اپنی طرف منسوب کرکے پیش کر رہے ہیں تاکہ انکی قابلیت کا سکہ لوگوں
کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ وہ نہیں جانتے کہ حاملہ عورت ہرچند اپنے
حمل کو پوشیدہ کرنا چاہے لیکن نبض شناس طبیب ماہر سے ہرگز چھپا
نہیں سکتی۔ اگر اس مسئلہ میں کلام استیعابی کیا جائے تو یہ ایک کتاب
مبسوط ہو جائیگی۔ اور چونکہ مجھے کمال اختصار مدنظر ہے۔ اس لئے صرف
اونھیں امور کے جوابات پر اکتفا کروں گا جنکو ہمارے مخاطب نے
پیش کیا ہے۔ ماشاء اللہ ہمارے قابل دوست نے اردو عبارت بھی
ایسی تحریر کی ہے کہ اردو خود سو جان سے ان پر نثار ہو رہی ہے۔
تحریر کرتے ہیں "کسی الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر کے

آخری الفاظ ہیں" لفظ کسی کے بعد الفاظ کا بصیغہ جمع استعمال کرنا
نہایت ہی لطیف ہے۔ اور (حضرت عمر کے آخری الفاظ) کا جملہ بھی
بہت معنی خیز ہے۔ اگر ممدوح کی عبارت سے اس قسم کے لطیف جملے چنکر
ناظرین کی تفریح خاطر کے لئے پیش کروں تو رسالہ کو طول ہو جائیگا۔
اس لئے میں صرف تنقید معنوی پر اکتفا کروں گا۔ آپ کے دلائل
متقنہ کے مقابلہ میں عنکبوت بھی اپنی صنعت پر جس قدر ناز کرے بجا
ہے۔ ہمارے دوست نے روح ارسطو کو بے چین کر لینے کے لئے ایک نیا
منطقی استدلال زیب قلم فرمایا ہے۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ موصوف
نے نہ واقعات تاریخیہ کی طرف توجہ فرمائی۔ نہ روایات واردہ سے
کوئی تعرض کیا۔ نہ کسی مطلب کی برمحل تنقیح کی۔ بلکہ آپ نے ایک روایت
کا صرف ایک جملہ اہجر استفہموہ لکھ کر فرما دیا کہ "قرینہ عقلیہ اس
بات کا مقتضی ہے کہ یہ الفاظ اس فریق کے زبان سے نکلے ہیں جو
کتابت پر زور دیتا تھا۔ پس ان الفاظ سے حضرت عمر پر کوئی اعتراض
وارد نہیں ہوتا" سبحان اللہ زور منطق اسی کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں
کہ اولاً تو آپکا یہ خیال محض غلط ہے کہ کتابت پر زور دینے والوں نے
کہا ہوگا۔ بلکہ اس کے قائل خود حضرت عمر تھے جیسا کہ آئندہ ابن اثیر
کے قول سے اس کو ثابت کروں گا۔ ثانیاً۔ اگر آپکی خاطر سے تھوڑی دیر
کے لئے فرض بھی کر لیا جاوے کہ یہ جملہ اوسی شخص کا ہے جو کتابت پر
زور دیتا تھا۔ جب بھی خلیفہ دوم کا دامن اس دھبہ سے پاک نہیں ہو سکتا
بلکہ قرینہ عقلیہ اس امر کا مقتضی ہوگا کہ کسی شخص نے بارگاہ نبوی میں پہلے
اسائت ادب کا ارتکاب کیا ہوگا اور پناہ بخدا ہجر کی نسبت پیغمبر کی طرف
دی ہوگی جس پر کسی کتابت کے زور دینے والے نے بطور تعجب کہا ہوگا۔

اَهَجَرَ کیا رسول ہذیان بکیں گے استفہموہ اچھا اگر تم کو شک ہے تو
پھر سے پوچھ لو ۔ مقصد یہ تھا کہ شان نبوی اس سے ارفع و اعلیٰ ہے
کہ وہ ہذیان بکیں جیسا کہ کہنے والے نے کہدیا ان الرجل لیھجر ۔ ملاحظہ ہو
آپ کے امام مسلم اپنی صحیح جلد ثانی صـ۴۳ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں :۔

حدثنا اسحاق بن ابراہیم اخبرنا وکیع عن مالک بن مغول عن طلحہ بن مصرف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم جعل تسیل دموعہ حتی رایت علی خدیہ کانہا نظام اللؤلؤ قال قال رسول اللہ صلعم ائتونی بالکتف والدواۃ او اللوح والدواۃ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ فقالوا ان رسول اللہ یھجر

مجھ سے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی ۔ مجھے وکیع نے مالک بن مغول سے اور اس نے طلحہ بن مصرف سے اور اس نے سعید بن جبیر سے اور سعید نے ابن عباس سے نقل کر کے خبر دی ۔ ابن عباس نے کہا کہ روز پنجشنبہ اور روز پنجشنبہ کیا ہے ۔ پھر ان کے آنسو چہرے پر بہنے لگے یہاں تک کہ ان کے چہرے پر موتیوں کی لڑی کی طرح معلوم ہوتے تھے ابن عباس نے کہا کہ رسولخدا نے فرمایا کہ میرے پاس کاغذ دوات یا لوح اور دوات لاؤ ۔ میں تم لوگوں کو ایک نوشتہ لکھدوں کہ اسکے بعد گمراہ نہ ہو لوگوں نے کہ دیا کہ رسول ہذیان بک رہے ہیں ۔

اس روایت سے بخوبی منکشف ہو گیا کہ پہلے لوگوں نے رسول کی طرف
ہذیان کی نسبت دی ۔ اب اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اہجر استفہموہ
طرفداران کتابت ہی نے کہا ہوگا تو درحقیقت یہ ان لوگوں کے کلام کی رد
ہوگی جو ہذیان کی نسبت دے رہے تھے ۔ پس ان رسول اللہ یھجر
کہنے والے کا دامن اس داغ سے کبھی پاک نہیں ہو سکتا ۔

اب دیکھیے تاریخ کامل ابن اثیر جزری مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۲ اور تاریخ ابوالفدا جلد اول صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ مصر ہر دو کتابوں میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ہے۔

اشتد برسول الله مرضه ووجعه فقال ائتونی بدواة وبیضاء اکتب لکم کتابا لا تضلون بعدی ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ان رسول الله یهجر فجعلوا یعیدون فقال دعونی فما انا فیه خیر مما تدعونی الیه

جب رسولخدا پر انکا مرض اور درد شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس کاغذ و دوات لاؤ۔ میں تم لوگوں کو ایک نوشتہ لکھدوں کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو پس لوگ نزاع کرنے لگے حالانکہ نبی کے قریب نزاع جائز نہ تھی۔ پس لوگوں نے کہا کہ رسولخدا ہذیان بک رہے ہیں اور بار بار اسی کو کہتے رہے۔ پس حضرت نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں بہتر ہے اس چیز سے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔

اب تو غالباً معترض کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ لوگوں نے رسول کیطرف ہذیان کی نسبت دی اور بار بار کہا تا اینکہ حضرت نے عاجز ہو کر فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں سابقاً لکھ چکا ہوں کہ مجھے اختصار مد نظر ہے ورنہ اس مبحث پر ایک ضخیم کتاب ہو سکتی ہے۔ البتہ اب مجھے اجمال کے ساتھ اس امر پر بھی نظر کرنی ضروری ہے کہ قالوا کا برقع زیب جسم کئے ہوئے کون بزرگ تشریف فرما ہیں۔ دیکھئے سر العالمین امام غزالی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۔

ولما مات رسول الله صلعم قال قبل وفاته

اور جب رسولخدا نے انتقال فرمایا تو حضرت نے قبل اپنی وفات کے ارشاد

ائتونی بدواۃ وبیاض لا نزیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق بعدی قال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجر وقیل یھذر

کیا میرے پاس دوات و کاغذ لاؤ تاکہ خلافت کے اشتباہ کو تم لوگوں سے زائل کر دوں اور بیان کر دوں کہ میرے بعد کون مستحق خلافت ہے حضرت عمر نے کہا اس شخص کو چھوڑ دو یہ فحش بک رہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ہذیان بک رہا ہے۔

نہایہ ابن اثیر جزری جلد چہارم مطبوعہ مصر ص۲۵۵ ذیل لغت ھجر

ومنہ حدیث مرض النبی قالوا ما شانہ اھجر اے اختلف کلامہ بسبب المرض علی سبیل الاستفہام اے ھل تغیر کلامہ واختلط ما بہ من المرض وھذا احسن ما یقال فیہ ولا یجعل اخبارا فیکون اما من الفحش او الھذیان والقائل عمر ولا یظن بہ

اور اسی سے حدیث مرض نبی ہے۔ لوگوں نے کہا ما شانہ اھجر یعنے ان (پیغمبر) کا کلام مختلف ہو گیا ہے یہ بطور استفہام ہے یعنے ان کا کلام مختلف ہو گیا اور مرض کی وجہ سے اختلاط پیدا ہو گیا ہے اور یہ بہترین تاویل ہے جو اس باب میں کیجا سکتی ہے۔ اس کلام کو خبر نہ قرار دینا چاہئے کہ وہ فحش یا ہذیان کے معنے میں ہو جائے اس لئے کہ کہنے والے عمر تھے۔ اور اس معنے کا ان سے گمان نہیں کیا جا سکتا۔

عکبری جو علماے کبار اہلسنت سے ہیں۔ اپنی کتاب تبیان شرح دیوان متنبی ص۷ مطبوعہ کلکتہ میں اس شعر کی شرح ذیل میں لکھتے ہیں

االنطق فيك هجر البعد علمى الخ

| | |
|---|---|
| الهجر القبيح من الكلام والفحش وهجر اذا هذى وهو ما يقوله المحموم عند الحمى ومنه قول عمر بن الخطاب عند مرض رسول الله ان الرجل ليهجر على عادة العرب | ھجر کلام فحش و قبیح کو کہتے ہیں اور جب کوئی ہذیان بکے تو (عرب میں) ھجر استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کو بخار والا بخار کی حالت میں کہتا ہے اور اسی سے قول حضرت عمر کا ہے کہ بوقت مرض رسو لخدا کہا تھا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ عادت عرب کے موافق۔ |

کہئے جناب مولانا! اب تو آپ کو بخوبی معلوم ہوا ہو گا کہ اہجر استفہموہ یا ان الرجل لیہجر کے کہنے والے حضرت عمر ہی تھے جنھوں نے بارگاہ نبوی میں اس اسارت ادب کو روار کھا۔ خواہ بصیغہ استفہام کہا ہو یا جملہ خبریہ استعمال کیا ہو۔ رسو لخدا کے متعلق فحش و ہذیان کا استفہام بھی اسارت ادب کے لئے کافی ہے۔ خدا تو شان رسول میں فرماتا ہے وما ینطق عن الھوے ان ھو الا وحی یوحی رسو لخدا خواہش نفس سے کوئی کلام ہی نہیں فرماتے تھے جو کچھ ارشاد کرتے تھے وحی ربانی ہوتی تھی۔ اور جناب خلیفہ دوم انکی طرف ہذیان کی نسبت دیتے ہیں خواہ بطور استفہام ہو یا بطور خبر۔ خدا تو فرماتا ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اپنی آواز یں نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور جناب خلیفہ دوم اس قدر طوفان برپا کرا دیتے ہیں کہ آخر کار ایسے خلیق نبی کو جو خلق عظیم پر مبعوث کیا گیا ہے مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع میرے پاس سے اوٹھ جاؤ۔ میرے نزدیک

نزاع کرنی جائز نہیں ۔ اگر آپ کو اس جملہ کے کہنے والے کی معرفت میں
اب بھی کچھ شک باقی رہ گیا ہو تو ماشاء اللہ آپ خود عالم متبحر ہیں۔ مہربانی
کر کے نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض قسم ثالث کا باب ثانی اور
باب اول کی فصل ثانی میں اس متکلم لاثانی کو تلاش فرمایئے ۔ اور منہاج السنہ
ابن تیمیہ مبحث جواب کلام شہرستانی اور شرح مشکوۃ مولوی عبدالحق کو دیکھئے
آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون بزرگ تھے جنھوں نے اس
معصیت کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

اچھا اب میں آپ کی خواہشات کی بنا پر آپ کے ان گذارشات
کے جوابات لکھتا ہوں جن کو آپ نے اس سوال کے ضمن میں صاحب تحفہ
پر نوازشات کر کے بڑی کوششات سے اپنی دانشات پر زور دیکر
تحریر کیا ہے ۔ اگر صاحب تحفہ موجود ہوتے تو کورنشات ادا کرتے ۔
(لفظ گذارشات کا استعمال معترض کی عربیت پر کافی روشنی ڈال رہا ہے)

نمبر ۱ :- آپ نے ابن عباس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ "وہ گیارہ برس
کے تھے اس لئے ممکن ہے کہ بوجہ بالغ نہ ہونے کے واقعات میں سقدر
انضباط نہ ہو" مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کو واقعات
تاریخیہ و کتب احادیث و رجال پر بالکل عبور نہیں ورنہ اس اعتراض واہی
کی ہرگز جرأت نہ ہوتی ۔ معترض کا مبلغ معلومات کسی اردو کتاب تک
محدود معلوم ہوتا ہے جو غالباً تحفہ اثنا عشریہ سے ماخوذ ہوگی ۔ میں
معترض سے سوال کرتا ہوں کہ اگر ابن عباس صرف گیارہ ہی برس کے
تھے تو آیا صرف واقعہ قرطاس ہی میں عدم بلوغ کی وجہ سے انضباط نہ
رہا ہوگا یا یہ احتمال ان کل احادیث میں جاری ہوگا جو ابن عباس سے
نقل کی گئی ہیں ۔ شق اول کی بنا پر معترض کو یہ امر ثابت کرنا چاہیئے

کو صرف حدیث قرطاس کی تخصیص کہاں سے کی۔ کیا وجہ ہے کہ محض ایک اسی واقعہ میں احتمال سہو و عدم انضباط جاری کیا جائے اور دوسرے واقعات اس احتمال سے بری ہوں اور شق ثانی کی بنا پر معترض اور انکے کل علماء کا یہ فریضہ ہوگا کہ وہ اعلان عام کر دیں کہ جس قدر حدیثیں تمام کتب احادیث میں مروی ہیں وہ سب نا قابل عمل و غیر مستند ہیں اس وجہ سے کہ ممکن ہے کم سنی و عدم بلوغ کے باعث نقل احادیث میں سہو و نسیان واقع ہو گیا ہو۔ یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ واقعہ قرطاس آخر عہد نبی کا ہے۔ پس اوائل عہد نبی کے واقعات میں یہ احتمال بدرجہ اولے جاری کیا جائیگا اور اساس مذہب سنن میں تزلزل پیدا ہو جائیگا۔ ثانیاً یہ ارشاد کیجئے کہ ابن عباس سے سعید ابن جبیر ایسے تابعی نے بھی واقعہ قرطاس کو نقل کیا ہے پس ابن عباس کے حالات کے وہ زیادہ آگاہ تھے یا آپکو ان سے زیادہ ابن عباس کے حالات معلوم ہیں۔ اور کیا سبب ہے کہ سعید بن جبیر و نیز ان علماء و محدثین جنھوں نے اس واقعہ کو درج کتاب کیا ہے۔ صاحب تحفہ سے قبل انھوں نے اس احتمال کو وارد نہ کیا اور بالخصوص امام بخاری و مسلم نے اس روایت کو کیوں نقل کیا اور اس احتمال کو جاری نہ کیا۔ ثالثاً کیا آپ نے عرب کے نشو و نمائے جسمانی کو مثل ہندوستان کے بچوں کے سمجھ لیا ہے۔ دیکھ لیجئے جناب عائشہ کی تزویج چھٹیں سال ہوئی تھی اور نویں سال دخول واقع ہوا۔ کیا ہندوستان کی بھی کوئی لڑکی نویں سال قابل وطی ہو سکتی ہے اور بالخصوص ابن عباس کے متعلق مروی ہے عن ابی اسحاق قال رایت ابن عباس کان رجلا جسیما قد شاب مقدم راسہ ولہ جمۃ و قال ابو عوانہ عن ابی حمزۃ کان ابن عباس اذا قعد اخذ مقعد رجلین

ابواسحاق کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس کو دیکھا تھا وہ مرد جسیم تھے
سر کا اگلا حصہ سفید ہو گیا تھا اور ان کے بال بہت زیادہ تھے۔ اور
ابوعوانہ نے ابوحمزہ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس جب بیٹھتے تھے تو
دو شخصوں کی جگہ گھیر لیتے تھے۔ دیکھئے کتاب الاصابہ جلد دوم ص ۳۳۳
اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ ان کے قوائے جسمانی کے نشو و نما کی حالت
ابتدا میں کیا رہی ہوگی۔ رابعاً۔ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ درحقیقت
انکی عمر واقعی کیا تھی۔ دیکھئے کتاب الاصابہ جلد دوم ص ۳۳۳۔ ابن
حجر عسقلانی لکھتے ہیں ولد وبنو ہاشم فی الشعب قبل الہجرۃ بثلاث وقیل بخمس ابن عباس
ہجرت کے تین سال قبل اور بقولے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے جب
بنی ہاشم شعب میں تھے۔ واقعہ قرطاس ۱۱ھ کا ہے۔ پس بقول اول
چودھواں سال اور بقول دوم سولہواں سال ابن عباس کا قرار پاتا ہے
اور آپ اپنی ہمہ دانی سے گیارہ برس کا سن تجویز کر رہے ہیں۔ واہ سبحان اللہ
آپ کے تبحر کا کیا کہنا۔ ذرا تکلیف کر کے کتاب الاصابہ جلد ۲ ص ۳۳۳ کو
پھر دیکھئے کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں عنہ اقبلت وانا راکب علی حمار
اتان وانا یومئذ ناہزت سن الاحتلام والنبی صلعم یصلی بمنی
الی غیر جدار وفی الصحیحین عن ابن عباس قبض النبی وانا
ختین وفی روایۃ کانوا لایختنون الرجل حتی یدرک۔
خود ابن عباس سے مروی ہے کہ میں مادہ خر پر سوار آیا اور میں اس وقت
بلوغ و سن احتلام کو پہنچ چکا تھا اور میں نے دیکھا کہ پیغمبر صلعم مقام منے
میں دیوار سے الگ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور صحیحین میں ابن عباس سے
مروی ہے کہ جب رسولخدا صلعم نے انتقال فرمایا تو میں مختون ہو چکا تھا۔
اور ایک روایت میں ہے کہ عرب ختنہ نہ کرتے تھے تا اینکہ وہ قریب

بلوغ ہو - انتہیٰ - اب آپ فرمائیے کہ گیارہ برس کے سن ہونے
کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے - خامساً ؎ روی الترمذی من
طریق لیث عن ابی جہضم عن ابن عباس انہ رای جبرئیل
مرتین وفی الصحیح عنہ ان النبی ضمہ الیہ وقال اللھم علمہ
الحکمۃ ویقال لہ حبر العرب - الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۰ - ترمذی نے
بطریق لیث ابو جہضم سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے
کہ ابن عباس نے دو مرتبہ جبرئیل امین کو دیکھا - اور صحیح میں ان سے
منقول ہے کہ رسولخدا ؐ نے ابن عباس کو سینہ سے لگایا اور ان کے
لئے دعا کی اور کہا کہ اے خدا اس کو حکمت کی تعلیم دے اور ان کے
لئے حبر العرب کہا جاتا ہے - یعنے تمام عرب کے عالم - انتہےٰ
واہ جس کے لئے جناب رسولخدا ؐ نے علم و حکمت کی دعا فرمائی ہو
اسکے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ شاید واقعات میں انضباط
نہ رہا ہو - ماشاء اللہ کیا کہنا - پس میرے بیان سے بخوبی
منکشف ہو گیا کہ آپ عدم بلوغ و عدم انضباط واقعات کا جو احتمال
پیدا کر رہے ہیں بالکل لغو و مہمل ہے -
نمبر ۲ میں معترض صاحب رقمطراز ہیں کہ " اگر حضرت عمر دوات و کاغذ
نہ لائے تو حضرت علی نے کیوں نہ پیش کر دیا - لہٰذا وہ بھی جرم میں شریک
ہیں " - معترض کا یہ اعتراض بھی ان کی عدم واقفیت کی دلیل ہے معلوم
ہوتا ہے کہ اخبار و احادیث پر خود ناظر نہیں ہیں - حضرت عمر کی جسارت
و گستاخی کا حال تو روایات سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے جو ان کی موجودگی
کی دلیل بیّن ہے - قطع نظر اسکے دیکھئے صحیح بخاری کتاب الاعتصام
بالسنہ صفحہ ۱۶۷ اور کتاب المرضیٰ باب قول المریض قوموا عنی صفحہ ۵

جس میں خلیفہ دوم کا موجود ہونا بتصریح درج ہے قال لما حضر رسول اللہ وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی ھلم اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ فقال عمر ان النبی قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت فاختصموا۔ الخ جب رسول اللہ تشریف لائے اور گھر کے اندر چند لوگ تھے کہ جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے پس آنحضرت نے فرمایا آؤ۔ میں تم لوگوں کے لئے ایک نوشتہ لکھدوں جسکے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو۔ پس عمر نے کہا کہ پیغمبر پر درد کا غلبہ ہے۔ اور تم لوگوں کے پاس قرآن ہے۔ ہمیں کتاب خدا کافی ہے پس گھر کے موجود لوگوں نے اختلاف کیا اور نزاع کرنے لگے۔ اسی روایت کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح کتاب الوصیہ ص۱۳ میں درج کیا ہے۔ البتہ صحیح مسلم میں بجائے لفظ لا تضلوا کے لا تضلون واقع ہے۔ باقی کل الفاظ متحد ہیں۔ روایت مشکوۃ سے بھی عمر بن خطاب کا موجود ہونا واضح طور سے ثابت ہے پس ان روایات سے حضرت عمر کا موجود ہونا تو ثابت ہو گیا۔ اب معترض پر فرض ہے کہ کسی روایت میں حضرت علی علیہ السّلام کا نام بھی دکھلائے۔ پہلے حضرت علی کا موجود ہونا ثابت کر لیا جائے اسکے بعد اس اعتراض کی جرأت کرنی زیبا ہوگی کہ معاذ اللہ حضرت علی بھی شریکِ جرم ہیں۔ اگرچہ موجودگی کا بار ثبوت معترض کے ذمہ ہے لیکن میں تفضلاً عدم موجودگی حضرت علی علیہ السلام ثابت کئے دیتا ہوں۔ ذرا گوش قلب سے سنئے۔ دیکھئے کتاب السّاری شرح صحیح بخاری جلد ششم ص۲۷۶ مطبوعہ لکھنؤ۔ علامہ قسطلانی فی البیت رجال کی شرح کرتے ہوئے لفظ رجال کے بعد من الصحابہ کا جملہ لکھتے ہیں جسکے معنے یہ ہوئے کہ اس وقت گھر کے اندر چند صحابہ موجود تھے اور فاختلف اھل البیت کی

شرح میں لکھا ہے الذین کانوا فیہ من الصحابہ لا اھل بیتہ علیہم السلام۔ یعنے اہل البیت سے یہاں وہ چند اصحاب مراد ہیں جو گھر کے اندر تھے۔ خود اہلبیت نبی علیہ السلام مراد نہیں۔ اب تو یہ معاملہ آئینہ سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اہلبیت نبی اس وقت وہاں موجود نہ تھے بلکہ چند اصحاب تھے۔ اسی مطلب کی تائید علامہ ابن حجر عسقلانی کے قول سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ہشتم صـ ۹۵ میں فاختلف اھل البیت کی شرح میں لکھتے ہیں ای من کان فی البیت من الصحابۃ ولم یرد اھل بیت النبی۔ یعنے ان لوگوں نے اختلاف کیا جو اصحاب میں سے اس وقت گھر کے اندر موجود تھے۔ اہل بیت نبی اس سے مراد نہیں[۱]۔ کہئے اب تو آپ سمجھ گئے کہ طوفان برپا کرنے والے چند اصحاب تھے۔ اہل بیت نبی اس وقت موجود نہ تھے۔ پس یہ داغ حضرت عمر اور ان کے ہمراہیوں کے دامنِ عزت تک مخصوص ہے۔

نمبر۳:۔ معترض صاحب اپنی خوش فہمی سے تحریر فرماتے ہیں "قلم دوات نہ لانا کوئی بُری بات نہ تھی بلکہ جھگڑا کرنا بُری بات تھی" بہتر بہت خوب ارشاد ہوا

---

[۱] یہ امر اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ اہلبیت نبی سے علی و فاطمہ و حسنین علیہم السّلام مراد ہیں۔ سرور عالم نے چادر کے اندر ان حضرات کو لے کر فرمایا تھا کہ ھولاء اھلبیتی جیسا کہ درمنثور وغیرہ میں کئی طریق سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں پس علامہ قسطلانی و عسقلانی کی تصریح کے بنا بر یہ حضرات وقت طلب قرطاس ودوات موجود نہ تھے۔ وھو المراد

۱۲ منہ

آپ کے اس نظریہ سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک فعل زنا قبیح ہے اور اسکے
مقدمات قابل مدح و موجب ثواب جمیل۔ سرقہ مذموم ہے لیکن اسکے لوازم
مستحسن و باعث اجر جزیل۔ اجی حضرت آپکی سمجھ میں سیدھی سی بات نہ آئی
کہ آخر شور و غل پیدا کیوں ہوا کہ سرور کائنات کو فرمانا پڑا قوموا عنی اگر
جناب خلافت مآب نے دوات و کاغذ لانے سے روکا نہ ہوتا تو یہ اختلاف
پیدا ہی کیوں ہوتا۔ اگر اونھوں نے رسول کی طرف ہذیان کی نسبت نہ دی
ہوتی تو رسول کریم کو غیظ آتا ہی کیوں۔ ایسے الفاظ ناسزا کا نبی کی شان
اقدس میں استعمال کرنا ہی کیا کم گناہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ دوات و
کاغذ نہ لانا کوئی بری بات نہ تھی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک عدم امتثال
امر نبی کوئی گناہ نہیں۔ اب اسکے بعد فرما دیجیئے گا کہ اگر خدا کے احکام نہ
بجالائے جائیں تو مضائقہ ہی کیا ہے۔ اچھا اب ذرا علامہ ابن حجر عسقلانی
سے اس مسئلہ کو دریافت کیجئے دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب
فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد اول کتاب العلم باب کتابۃ العلم صفحہ ۱۵
لاینبغی عندی التنازع کی شرح میں تحریر کرتے ہیں فیہ اشعار بان الاولی
کان المبادرۃ الی امتثال الامر۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے
کہ اولے یہ تھا کہ تعمیل ارشاد نبی کی طرف سبقت کی جاتی۔ پھر صفحہ ۱۴۹ میں
لکھتے ہیں قال القرطبی وغیرہ ائتونی امر و کان حق المامور ان
یبادر للامتثال۔ قرطبی اور دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ ائتونی امر کا
صیغہ ہے اور مامور و محکوم کا فرض یہ ہے کہ تعمیل ارشاد کی طرف سبقت
کرے۔ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ علمائے کبار اہلسنت فرماتے ہیں کہ
فرمان نبی کی طرف سبقت کرنا چاہیئے تھا جو فریضہ محکوم ہے اور ہمارے
دوست فرماتے ہیں کہ قلم دوات کا نہ لانا کوئی بری بات نہ تھی۔ بڑے افسوس

کی بات ہے کہ جناب خلیفہ اول جب سکرات میں مبتلا تھے اونھوں نے حضرت عثمان کو طلب کیا تاکہ خلافت حضرت عمر پر نص کر دیں۔ لیکن ان کا نام لینے کے قبل بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے خلیفۂ دوم کا نام اپنی طرف سے لکھدیا جب وہ ہوش میں آئے تو ان کو دعائیں دیں۔ اس وقت نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ ابوبکر ہذیان بک رہے ہیں۔ نہ کسی کی زبان سے یہ نکلتا ہے کہ کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر پیغمبر خدا کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو طوفان برپا کیا جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ پناہ بخدا رسول ہذیان بک رہے ہیں۔ کبھی حسبنا کتاب اللہ کا ڈنکا بجایا جاتا ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

نمبر ۱۴ میں معترض صاحب نے یہ گل افشانی فرمائی ہے کہ "یہ سمجھنا کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کی خلافت کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے تھے دعوے بلا دلیل ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ اولاً تو یہ کہ آنحضرت کو کیا لکھنا مقصود تھا میرے موضوع کلام سے خارج ہے۔ جو کچھ بھی لکھنا مقصود رہا ہو۔ اس سے کوئی بحث نہیں۔ کلام تو اس میں ہے کہ حضرت عمر نے مخالفت رسول کی۔ نبی کریم کے حضور میں فساد برپا کرا دیا۔ ھجر اور ہذیان کی نسبت پیغمبر کیطرف دی جو کمال درجہ کی بے ادبی ہے۔ اور بعون خدا یہ مطلب بخوبی ثابت ہو گیا۔ ثانیاً یہ کہ امام غزالی کے قول سے ابھی چند صفحات قبل اس امر کو واضح کر چکا ہوں کہ آنحضرت کا مقصود اشکال خلافت کو رفع کر دینا تھا اور یہ ظاہر کر دینا تھا کہ آنحضرت کے بعد مستحق خلافت کون ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی کتاب فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے قیل بل اراد ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ حتی لا یقع بینھم الاختلاف کہا گیا ہے کہ رسول نے ارادہ کیا تھا کہ اسماء خلفا پر نص کر دیں تاکہ لوگوں

کے درمیان میں آنحضرت کے بعد اختلاف نہ واقع ہو۔ عبدالحق دہلوی نے بھی شرح مشکوۃ میں لکھا ہے قیل کان النبی اراد ان یکتب تعیین واحد للخلافۃ لئلا یقع بعدہ نزاع کہا گیا ہے کہ نبی نے ارادہ کیا تھا کہ کسی ایک کی تعیین خلافت کے لئے لکھدیں کہ بعد آنحضرت کے نزاع نہ ہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ آیا خلافت حضرت علی کے متعلق تحریر فرمانا چاہتے تھے یا خلافت جناب ابوبکر کو واضح فرمانا مقصود تھا۔ آپ کا مقتضائے قیاس یہ ہے کہ چونکہ آخر عہد نبی میں مسئلہ امامت جناب ابوبکر کے متعلق کیا گیا تھا لہذا اونھیں کے خلافت کے متعلق لکھوانا مقصود رہا ہوگا۔ پس آپ کا یہ قیاس۔ قیاس مع الفارق ہے۔ اسلئے کہ تبلیغ سورہ برائت میں معزول ہو چکے تھے۔ جیش اسامہ و ذات السلاسل میں محکوم بنائے جا چکے تھے۔ حضرت علی کو سرور عالم نے کبھی کسی کا محکوم نہ بنایا۔ بیعت عشیرہ سے مقام غدیر خم تک مختلف مقامات و مواقع پر حضرت علی کی وصایت و ولایت و وزارت و امارت کو حضور انور برابر واضح فرماتے رہے جن کی تفاصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے پس آخر عہد میں بھی اوسی کی ذات مطمح نظر اقدس نبوی رہی ہوگی۔ اس کے ثبوت میں وہ واقعہ کافی ہے جس کو ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں نقل کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں راہ شام میں خلیفہ دوم کے ہمراہ تھا ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ پر تنہا سوار چلے جا رہے ہیں میں ان کے پیچھے ہو لیا اونھوں نے کہا کہ اے ابن عباس میں تم سے تمہارے ابن عم علی بن ابی طالب کی شکایت کرتا ہوں۔ میں نے اُن سے خواہش ظاہر کی کہ میرے ساتھ آئیں لیکن اونھوں نے قبول نہ فرمایا۔ میں ان کو ہمیشہ اپنی طرف سے غضبناک پاتا ہوں۔ تم کیا خیال کرتے ہو۔ ان کا یہ غیظ و غضب کس لئے ہے۔ میں نے

کہا کہ اے عمر تم بھی اسکے سبب کو سمجھ سکتے ہو۔ میں گمان کرتا ہوں کہ
ان کا یہ رنج والم منصب خلافت کے ہاتھ سے نکل جانے کے باعث
ہے وہ ایسا خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا خلافت کو اونھیں کے لئے
چاہتے تھے۔ عمر نے کہا کہ جب خدا نے نچاہا کہ خلافت ان تک پہونچے
تو رسول کا چاہنا کیا فائدہ رکھتا ہے۔ اسکے بعد ابن ابی الحدید لکھتے
ہیں کہ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ عمر نے یہ جواب دیا کہ حضرت
رسولخداؐ نے چاہا کہ اپنے مرض موت میں خلافت کا اُن کے لئے ذکر فرما دیں
پس میں مانع ہوا۔ انتہے۔ ارباب بصیرت ذرا حضرت عمر کے اس قول پر
نظر غائر فرمائیں۔ ان کے اس قول سے دونوں باتیں بخوبی ثابت ہوئی
جاتی ہیں کہ رسولخداؐ کا ارادہ طلب قرطاس و دوات سے یہی تھا کہ خلافت
حضرت علیؑ پر نص فرمانا چاہتے تھے جسکے متعلق معترض کا خیال ہے کہ یہ
سمجھنا کہ حضرت علی کی خلافت کے باب میں لکھنا چاہتے تھے دعوے بلا دلیل
ہے۔ دوسرے حضرت عمر نے خود اس امر کا اعتراف کر لیا کہ میں نے رسول
کو لکھنے نہ دیا اور مانع ہوا۔ اب تو معترض پر بخوبی روشن ہو گیا ہو گا کہ
ان الرجل لیہجر کے کہنے والے حضرت عمر ہی تھے۔ و ہو المراد

لقد امر رسول اللہ بالصلوۃ بالناس و ھو حیٌ یعنے رسولخدا نے
ابو بکر کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم اپنی حیات میں دیا۔ یہ ہرگز حضرت
علی کا کلام نہیں ہے۔ نہ حضرت نے خود اپنی زبان اقدس سے کسی موقع
پر اس کو فرمایا ہے۔ بلکہ اس کے قائل ابو عبیدہ اور خلیفہ دوم ہیں۔ جو
ہم پر کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الواقع رسول ہی نے نماز
پڑھانے کا حکم دیا تھا تو پھر کیا سبب ہے کہ حضرت باوجود وفور ضعف
دو شخصوں پر تکیہ لگا کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ علاوہ ازیں امامت

نماز کا امامت مطلقہ پر ہرگز قیاس نہیں ہو سکتا جب کہ امامت نماز کے متعلق آپ کے ہاں مشہور مسئلہ ہے صلوا خلف کل بر و فاجر۔ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے تو بالفرض نماز پڑھا دینے سے امامت مطلقہ کا استحقاق بھلا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

نمبر ۵:۔ معترض صاحب فرماتے ہیں کہ" ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کے بموجب کسی ضروری بات کا نہ بتانا آپ کو ملزم قرار دیتا ہے۔ حضور کا فرض تھا کہ ضرور لکھواتے یا زبانی ہی لوگوں کو بتا دیتے" مجھے کمال افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ معترض نے معنی قرآن مجید میں بھی تحریف شروع کر دی۔ جو حکم ایک مورد خاص میں نازل ہوا تھا اس کو ہر محل پر جاری کرنا چاہتے ہیں جو ایک اصولی غلطی ہے۔ میں موصوف سے کہوں گا کہ براہ کرم آیت کو پارہ پارہ نہ فرمائیں بلکہ کل اجزائے آیت پر نظر غائر کر کے اس مورد خاص کو تلاش کریں جس محل پر اس آیت کا نزول ہوا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنے اے رسول تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے جو حکم دیا گیا ہے اس کو پہونچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کے رسالت ہی کی تبلیغ نہ کی۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچانے والا ہے۔ اس آیت کی شانِ نزول واقعہ غدیر ہے جو باعتراف علمائے کبار اہلسنت ثابت ہے۔ جسکے لیے خدا کی طرف سے یہ تاکیدی حکم نازل کیا گیا کہ اگر اسکی تبلیغ نہ ہوئی تو گویا رسالت کا کام ہی پورا نہ ہوا۔ پس ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کا حکم اسی امر مخصوص تک محدود

رہے گا ہر محل پر وہ کس قاعدہ سے جاری کیا جا سکتا ہے جب کہ شانِ نزول ایک موقع خاص ہے۔ لہذا جب آیت میں عموم نہ رہا تو اس مورد پر اس سے استدلال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر علمی قاعدہ سے اس مطلب کی تقریر آپ کو مقصود ہو تو اس طرح ملاحظہ کیجئے کہ ما انزل میں حرف ما ایک امر معہود کی طرف اشارہ کر رہا ہے اسلئے کہ اگر ما عموم کے لئے ہو گا تو معنے آیت میں اختلال پیدا ہو جائے گا کیونکہ اس بنا پر یہ معنے ہو جائیں گے کہ بلغ جمیع ما انزل الیک وان لم تبلغ جمیع ما انزل الیک لم تبلغ جمیع ما انزل الیک۔ پہنچا دو اُن کل باتوں کو جو تمہارے اوپر نازل کی گئی ہیں اور اگر تم نے ان کل باتوں کو نہ پہنچایا جو تمہارے اوپر نازل کی گئی ہیں تو تم نے ان سب باتوں کو نہ پہنچایا جو تمہارے اوپر نازل کی گئی ہیں۔ پس شرط عین جزا ہو جائے گی۔ حالانکہ باتفاق نحاۃ شرط و جزا میں مغایرت ضروری ہے۔ لہذا شرط باطل ہو کر کلام مہمل ہو جائے گا۔ اور کلام باری تعالے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسکی توضیح کے لئے دوسری مثال یوں لیجئے اشرب ماءً وان لم تشرب ماءً لم تشرب ماءً۔ پانی پیو اور اگر تم نے پانی نہ پیا تو تم نے پانی نہ پیا۔ میرے اس بیان سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ آیت مذکورہ میں حرف ما عموم کے لئے نہیں ہے ورنہ کلام خدا میں نقص لازم آئے گا بلکہ وہ ایک امر خاص تھا جسکے متعلق ارشاد خدا ہے کہ اے ہمارے رسول اگر تم نے اس امر خاص کی تبلیغ نہ کی تو گویا اسکے رسالت ہی کی تبلیغ نہ کی۔ اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جملہ مابعد واللہ یعصمک من الناس بھی اسی مورد خاص سے متعلق ہے۔ معترض کا آیت کے اس جزو سے بھی استدلال

کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ میں سوال کرتا ہوں کہ کیا سبب ہے کہ رسول خدا نے صلح حدیبیہ کے موقع پر دب کر صلح فرمائی تا اینکہ لفظ رسول اللہ کو بھی قلمزد کرنا پڑا۔ کیا وہاں پر خدا اپنے رسول کو بچانے والا نہ تھا۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس موقع پر اقتضائے مصلحت یہی تھا کہ صلح سے کام لیا جائے۔ اسی طرح جب طلب قرطاس کے موقع پر اصحاب نے شور و غل مچانا شروع کیا تو اقتضائے مصلحت یہی تھا کہ سکوت سے کام لیا جائے۔ اس کا بقیہ جواب نمبر ۷ میں انشاء دیا جائیگا جس کو معترض نے شمار بڑھانے کے لئے عبارت بدل کر پھر نمبر ۷ میں پیش کیا ہے۔ معترض کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ زبانی ہی بتا دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ معترض کو کس طرح معلوم ہے کہ زبانی نہیں بتایا۔ ممکن ہے کہ آپ نے زبانی کسی سے فرمایا ہو۔ پھر لوگ قرائن مقام سے منشائے رسول ص سے واقف رہے ہوں گے۔ غرض نہ امر پردہ خفا میں نہ رہ گیا ہوگا۔ لہذا ذات اقدس نبوی کسی طرح مورد الزام قرار نہیں پا سکتی۔

نمبر ۴:۔ معترض صاحب فرماتے ہیں "آنحضرت کی غرض اس تحریر سے یہ تھی کہ ان لا تضلوا کہ تم لوگ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ قرآن مجید میں اللہ میاں فرماتے ہیں یبین اللہ لکم ان تضلوا یعنے خدا کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ اس قرطاس میں بھی آنحضرت کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کرنا تھا جس کو حضرت عمر کی فراست نے سمجھ لیا اور غلبہ مرض کو دیکھ کر جرأت اخلاق کا ثبوت دیا اور فرمایا کہ حسبنا کتاب اللہ" مجھے کمال تعجب ہے کہ ہمارے معترض کو عیب و ہنر و مدح و ذم کے درمیان میں بالکل امتیاز باقی نہ رہا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو توڑ مروڑ کر جس طرح چاہتے ہیں پیش کر دیتے ہیں۔ پوری آیت

سے غض بصر فرما کر ایک ٹکڑے کو آیت کے لے لیتے ہیں اور خواہ وہ ان کے اثبات مطلب کے لئے کافی ہو یا نہ ہو لیکن اثبات مطلب کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سورہ نساء کی آخری آیت کا ایک جزء ہے جس کو وہ یہاں پر پیش کر رہے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے:۔ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شئ علیم یعنے (اے رسول) لوگ تم سے حکم خدا کو پوچھتے ہیں۔ تم کہ دو خدا بھائیوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص مر جائے اور اوس کے اولاد نہ ہو اور بہن موجود ہو تو اس کے لئے نصف متروکہ ہوگا اور وہ شخص بھی بہن کا وارث ہوگا اگر اسکے اولاد نہ ہو پس اگر دو بہنیں ہوں تو متروکہ سے ہر دو کے لئے دو ثلث ہوں گے اور اگر بھائی و بہنیں ہوں تو مرد کا دو حصہ ہوگا اور عورت کا ایک۔ خدا تمہارے لئے بیان کئے دیتا ہے تاکہ گمراہ نہ ہو اور خدا ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اب فرمائیے کہ اس آیت کو اس موضوع خاص سے کیا تعلق ہے۔ کیا رسول مسئلہ میراث ہی کو واضح فرمانا چاہتے کہ لوگ بعد رسول گمراہ نہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہے تو افسوس رسولؐ کے انتقال فرماتے ہی مسئلہ میراث میں بھی اُمت گمراہ ہو گئی اور فاطمہؑ کو ان کے حق سے محروم کر دیا۔ ثانیاً یہ کہ اگر آپ کا قول تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان تضلوا میں خدا ضلالت مطلقہ سے بچنے کا حکم دے رہا ہے کہ گمراہ نہ ہو جاؤ تو قرآن صرف بچنے کا حکم دے رہا ہے یہ نہیں کہ رہا ہے کہ بچنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ لہذا رسول کریم اپنی شفقت کاملہ پر نظر کر کے گمراہی

سے بچنے کے طریقوں کو بیان فرمانا چاہتے تھے جسکے لئے قرطاس
و دوات کو طلب کیا لیکن افسوس کہ مانعین نے لکھنے نہ دیا۔ قرآن
کے مفسر حقیقی رسول خدا تھے۔ معنے قرآن کو ان سے بہتر اور کون سمجھ
سکتا تھا۔ لہٰذا ان تضلوا کی تفسیر کرنی مقصود تھی۔ جناب خلیفہ دوم
کی فراست غلط تھی اور حسبنا کتاب اللہ کا خیال باطل تھا اور اگر در حقیقت
ہدایت کے لئے کتاب خدا کافی تھی تو رسول کا فریضہ بھی یہ ہونا چاہیئے
تھا کہ فرما دیتے لو یہ کتاب خدا ہے جو تمہارے لئے کافی ہے اور اسکے
بعد خاموش ہو کر بیٹھ جاتے بیان احادیث میں عبث اس قدر زحمتیں
برداشت کیں۔ غرض اس صورت میں سنت رسول سے استغنا ہو اجاتا
ہے جو قطعاً غلط ہے۔ معاف فرمائیے گا۔ آپ اس محل پر رسول کے ساتھ
حضرت عمر کی جس محبت کو ثابت فرما رہے ہیں کہ رسول پر درد کا غلبہ
تھا اس لئے تحریر کی زحمت نہ دینی چاہتے تھے۔ کاش اس جرأت
اخلاق کو ممدوح نے خندق واحد و خیبر و حنین وغیرہ کے مواقع پر دکھلایا
ہوتا تو آج صفحات تاریخ میں زریں حروف میں ان کا نام نامی لکھا جاتا
لیکن نہ معلوم اُحد کے میدان میں وہ محبت کیا ہو گئی تھی کہ رسول کو تنہا
چھوڑ کر چلے گئے تھے اور آج قمیص محبت رسول ان کے قد موزوں پر
بکمال تکلف پہنائی جا رہی ہے۔ ذرا تفسیر در منثور علامہ جلال الدین
سیوطی جلد دوم صفحہ ۸۸ مطبوعہ مصر دیکھئے۔ جناب خلیفہ دوم نے بروز
جمعہ خطبہ پڑھتے وقت آل عمران کی تلاوت شروع کی جب اس آیت
پر پہنچے ان الذین تولوا منکم تو خود فرماتے ہیں ففرمت
حتے صعدت الجبل فلقد رایتنی انزو کاننی اروی والناس
یقولون قتل محمد پس میں بھاگا یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور

میں نے اپنے کو دیکھا کہ اس طرح کو د رہا تھا کہ گویا میں بزگوہی ہوں اور لوگ کہ رہے تھے کہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔

ذرا انصاف سے فرمایئے گا کہ اس دن یہ محبت کیا ہو گئی تھی کہ رسولؐ تو زخمی ہو چکا تھا خدا النصرت کا وعدہ فرما چکا تھا اور خود رسولؐ کو چھوڑ کر کوہِ اُحد پر چلے گئے۔ باقی رہا یہ امر کہ بعض احکام قران موافق رائے خلیفہ دوم نازل ہوئے۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ شراب پینے والوں نے شراب پی ہوتی تو حرمتِ خمر کی آیت کیوں نازل ہوتی۔ پس اس کا نزول بھی شارب خمر کی وجہ سے ہوا یا اگر کسی بی بی پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہوتی تو آیت حد قذف کا نزول کیوں ہوتا۔ وہ بھی دعوے کر سکتا ہے کہ اس حکمِ نزول کا باعث میں ہوا وقس علےٰ ھذا۔

نمبر ۷:- معترض صاحب فرماتے ہیں " یہ واقعہ جمعرات کا ہے اور آنحضرت نے پیر اور منگل کی درمیانی رات کو وفات پائی۔ ہفتہ اور اتوار کو افاقہ بھی ہوا لیکن پھر بھی حضور نے خلافت علی کی وصیت نہ فرمائی۔ ہائے افسوس حضرت علی سے علحدگی میں بھی نہ فرمایا" معترض کا یہ اعتراض بھی کس قدر تعجب خیز ہے ان کو کیا معلوم کہ جناب رسالت مآبؐ نے ان باتوں کو جنھیں سلکِ تحریر میں لانا چاہتے تھے حضرت علیؑ سے علحدگی میں فرمایا یا نہیں۔ ان رموز کو بجز واقفان اسرار الہیہ اور کون سمجھ سکتا ہے۔ باقی دوبارہ تحریر نہ لکھوانے کا سبب ظاہر ہے کہ دوبارہ پھر وہی دریاے مخالفت موجزن ہو جاتا جو ایک مرتبہ مشاہدہ کیا جا چکا تھا۔ آنحضرت اپنے فریضۂ ہدایت کو ادا فرما چکے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پیغمبرؐ خدا اوند کریم کی طرف سے صرف طلب دوات و قرطاس پر اسلئے مامور ہوئے ہوں کہ حضرت عمر اور ان کے تابعین کی مخالفتوں کا حال امت پر

روشن ہو جاوے پس بعد ظہور مخالفت حاجت تحریر نہ باقی رہی - امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں بذیل قصہ ذبح حضرت اسماعیل تحریر کرتے ہیں -

هل کان مامورا بالذبح ام لا هذا الاختلاف متفرع علی مسئلة من مسائل اصول الفقه وهی انه هل یجوز نسخ الحکم قبل حضور مدة الامتثال فقال اکثر اصحابنا انه یجوز - آیا حضرت ابراہیم ذبح پر مامور تھے یا نہیں - یہ اختلاف ایک مسئلہ پر مسائل اصول فقہ میں سے متفرع ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا کسی حکم کا مدت بجا آوری حکم کے قبل منسوخ ہو جانا جائز ہے یا نہیں - پس ہمارے اکثر اصحاب نے کہا ہے کہ جائز ہے - پس اس مسئلہ سے معترض کا اعتراض بالکل ہوا ہوا جاتا ہے -

رسولخدا طلب دوات و قرطاس پر خدا کی طرف سے مامور ہوئے اور طوفان برپا ہو جانے کے بعد مدت امتثال امر کے پہلے ہی یہ حکم منسوخ کر دیا گیا - جس طرح حضرت ابراہیم ذبح اسماعیل پر مامور ہوئے لیکن مدت امتثال کے قبل یہ امر منسوخ ہو گیا۔

نمبرہ میں معترض نے ذات نبوی کو مورد الزام قرار دینا چاہا تھا پس وہ اعتراض بھی اسی تقریر سے مرتفع ہو گیا -

نمبر ۸ میں معترض صاحب گہرفشاں ہیں " یہ عجیب بات ہے کہ کلام اللہ جو ۲۳ برس تک نازل ہوتا رہا اور جس کے اختتام پر فرمایا گیا الیوم اکملت لکم دینکم اس سے تو گمراہی کا سد باب ہوا مگر حضرت کی تحریر سے گمراہی ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی - ہمارے نزدیک رسول کی تحریر خدا کے کلام سے ہرگز افضل نہیں ہو سکتی " - بے شک آیہ اکملت نازل ہو چکا تھا مگر قران مجید بھی صاف صاف کہہ چکا تھا افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم یعنی اگر رسول مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم لوگ اپنی ایڈیوں پر

لوٹ جاؤ گے یعنے مرتد ہو جاؤ گے۔ چونکہ بعد وفات رسول اس امر کا اندیشہ قوی تھا۔ اسلئے بعد نزول آیہ اکمال دین بھی اگر رسول بمقتضائے شفقت و اتمام حجت امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے کچھ تحریر فرمانا چاہتے تھے تو یہ تعجب کی کون سی بات ہے۔ بے شک کلام خدا سے کلام رسول افضل نہیں ہو سکتا لیکن نبی کریم اپنے فریضہ کو آپ سے زیادہ جانتے تھے۔ قران حکم دے چکا تھا ما اتاکم الرسول فخذوہ رسول جس امر کا تمہیں حکم دیں قبول کرو۔ قران تنہا بلا انضمام سنت رسول قطعاً ہدایت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ پس اگر رسول بعد نزول آیہ اکمال دین امت کی بہبودی کے لئے کچھ لکھنا چاہیں تو اس میں کون سی قباحت عقلیہ یا شرعیہ لازم آتی ہے۔

نمبر ۹: معترض صاحب کا ارشاد ہے "حضرات شیعہ حضرت علی کی خلافت کو بلا فصل مانتے ہیں اور پھر بھی ان میں بیسیوں فرقے ہیں" اور اسکے قبل تحریر کیا ہے "شیعہ حضرات کا خیال ہے کہ آنحضرت صلعم نے خلافت علی کی وصیت فرمائی تھی جس کو مان کر لن تضلوا بعدہ کے نقشہ کا ظہور ہوتا تھا یعنے بعد میں کسی کو گمراہ نہ ہونا تھا"۔ جی ہاں جس طرح شیعوں میں بقول آپکے حضرت علی کی خلافت کو مانتے ہوئے بیسیوں فرقے ہیں اوسی طرح حضرات اہل سنت میں بھی خلافت ابوبکر کو تسلیم کرتے ہوئے سیکڑوں فرقے ہیں پس آپکا شیعوں پر یہ اعتراض بالکل بے محل و عبث ہے۔ روایات سابقہ سے یہ امر بخوبی منکشف ہو چکا ہے کہ آنحضرت مسئلہ خلافت ہی کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ دیکھیے جواب نمبر۔ پس اب دو حال سے خالی نہیں یا تو خلافت حضرت علیؑ کے متعلق آنحضرت کو لکھوانا مقصود رہا ہوگا یا بزعم مخالفین خلافت ابوبکر کو واضح فرمانا چاہتے رہے ہوں گے۔ صورت اولی میں باعتراف خصم میرا مقصد پایہ ثبوت تک پہونچتا ہے کہ پیغمبر خدا خلافت حضرت علیؑ کے متعلق کچھ لکھوانا چاہتے

تھے مگر خلیفہ دوم نے لکھنے نہ دیا اور فساد برپا کر دیا۔ اور شق دوم کی بناپر کیا وجہ ہے کہ باوجود اعتقاد خلافت بکر یہ حضرات اہلسنت میں سیکڑوں فرقے پیدا ہوگئے فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

نمبر۱ میں معترض نے اپنی جودت طبع کا رنگ کھلانا چاہا ہے۔ اپنے کمال عناد کی بنا پر تحریر کیا ہے کہ "اگر حضرت عمر کا قلم دوات نہ لانے دینا اس لئے کفر و فسق ہے کہ آپ نے حضور کے حکم کی تعمیل نہیں کی تو حضرت علی پر بھی یہی حکم لگ سکتا ہے کیونکہ وہ بھی ہمت فرما کر قلم دوات نہ لائے۔ دوسرے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی نے آنحضرت صلعم کے حکم کی قولاً و فعلاً عدم تعمیل کی جب کہ آنحضرت نے صریحاً فرمایا تھا کہ امح اسمی مگر حضرت علی نے تعمیل نہیں فرمائی اور فرمایا لا امحوک ابدا میں ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ حتی محاہ رسول اللّٰہ صلعم یہاں تک کہ آنحضرت نے خود مٹایا" معترض نے اس جز میں دو باتیں پیش کی ہیں۔ قبل اسکے کہ میں ان کے جوابات تفصیلی لکھوں پہلے ان کی عربیت کی داد دینی چاہتا ہوں۔ کیوں جناب مولانا یہ تو فرمائیے کہ روایت میں لا امحوک ابدا بصیغہ خطاب وارد ہے یا کس طرح۔ افسوس آپ اس قدر بھی امتیاز نہیں فرما سکتے اور پھر اعتراض پر آمادہ ہیں۔ اب اصل جواب کو ملاحظہ کیجئے۔ پہلے جزء کا جواب بتفصیل دیا جا چکا ہے۔ آپ تطویل لاطائل کی غرض سے ایک ہی بات کو بار بار تحریر کیا کرتے ہیں۔ پہلے آپ حضرت علی کی موجودگی اس وقت ثابت کیجئے پھر آپ ہم سے اسکے جواب کا مطالبہ کیجئے۔ علامہ قسطلانی و عسقلانی شارحین صحیح بخاری کے اقوال سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ گھر میں اُس وقت چند اصحاب تھے کہ منجملہ ان کے ایک حضرت عمر بھی تھے پس آپ حضرت علی کا نام بھی کسی روایت میں دکھلائیے۔ باقی رہا صلح حدیبیہ کا قصہ پس یہ معترض کی کمال خوش فہمی

کی دلیل ہے۔ اگر خفاش کی آنکھیں نور آفتاب کو نہ دیکھ سکیں یہ اسکی آنکھوں کا قصور ہوگا نور آفتاب پر کوئی عاقل عیب نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح حضرت علی کا لفظ رسول کو محو نہ کرنا اور حضرت عمر کا دوات وکاغذ کے لانے سے انکار کرکے رسول کی طرف فحش۔ ہذیان کی نسبت دینی۔ کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ دونوں باتیں یکساں وبرابر ہوسکتی ہیں۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اگر معترض صاحب کو خود یہ نہیں معلوم تو اپنے اسلاف سے دریافت کریں اور دیکھیں کہ عدم محو لفظ رسول اللہ کے مسئلہ میں علماے اہلسنت اپنی کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔ دیکھئے کتاب مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق دہلوی جلد دوم ص ۲۸۶ مطبوعہ لکھنؤ۔

واین امتناع علی از محو لفظ رسول اللہ نہ از باب ترک امتثال ست کہ مستلزم ترک ادب ست بلکہ عین امتثال وادب ناشی از غایت عشق ومحبت است۔

اور حضرت علی کا لفظ رسول اللہ کے محو کرنے کا یہ انکار ترک تعمیل ارشاد کے قسم سے نہیں کہ جو ترک ادب کو مستلزم ہے۔ بلکہ یہ عین تعمیل حکم وعین ادب ہے جو انتہاے عشق ومحبت سے پیدا ہوا ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم کتاب الجہاد باب صلح حدیبیہ میں لکھتے ہیں:۔

هذا الذی فعله علیؓ من باب الادب المستحب لانه لم یفهم من النبیؐ تحتم محوه علی نفسه ولهذا لم ینکر علیه ولو حتم محوه

اور یہ جو کچھ حضرت علی نے کیا از قبیل ادب مستحب ہے اسلئے کہ پیغمبر کی طرف سے یہ بات لازم نہیں سمجھی گئی کہ انھوں نے اس لفظ کے محو کرنے کو علی پر لازم کردیا ہو۔ اسی لئے حضرت علی کے فعل کو رسولخدا نے ناپسند نہیں کیا اور اگر آنحضرت نے اسکے محو کو انکے اوپر لازم کردیا

| | |
|---|---|
| لنفسه لم يجز لعلى تركه۔ | ہوتا تو پھر حضرت علی کو اس کا ترک جائز نہ ہوتا۔ |

صاحب مواہب لدنیہ لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| قال العلماء وهذا الذی فعله علی من باب الادب المستحب لانه لم يفهم من النبی تحتم محو علی نفسه ولهذا لم ينكر عليه ولو حتم محوه لنفسه لم يجز لعلی تركه | علماء نے کہا ہے کہ جو کچھ حضرت علی نے کیا از قسم ادب مستحب ہے اسلیئے کہ پیغمبر سے یہ بات نہیں سمجھی گئی کہ انھوں نے اسکے محو کو علی پر لازم کر دیا ہو اور اسی لیے فعل حضرت علی کو ناپسند نہیں کیا۔ اور اگر اسکے محو کو ان کے اوپر لازم کر دیا ہوتا تو علی کو اس کا ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔ |

اب تو غالباً ہمارے بافہم معترض کی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ باعتراف علمائے اہلسنت حضرت علیؑ کا لفظ رسول اللہ کو محو نہ کرنا ترک تعمیل ارشاد نہیں بلکہ عین بجا آوری حکم پیغمبرؐ ہے جو از قسم ادب مستحب ہے اور کمال عشق و محبت نبی پر مشتمل ہے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ فعل حضرت علیؑ کو جناب سرور عالمؐ نے نظر ناپسندیدگی سے نہیں دیکھا۔ پس اس کا تقابل اس شخص کے فعل سے کیسے ہو سکتا ہے کہ جو کفار قریش کی طرح کہ وہ لوگ برابر آنحضرت کو معاذ اللہ ساحر۔ مجنون۔ گمراہ کہا کرتے تھے خود بھی حضور کی طرف فحش وہذیان کی نسبت دے جس پر رسول کریم باوجود اپنے منتہائے خلق کے فرمائیں قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع میرے پاس سے چلے جاؤ کہ نزاع کرنی میرے نزدیک جائز نہیں کہ جس سے کمال غیظ وغضب کے آثار نمایاں ہیں۔ اگر اب بھی معترض کا ذہن رسا اصل

مطلب تک پہونچا ہو تو میں ایک اور مثال دوں۔ دیکھئے تفسیر درمنثور جلد دوم صفحہ ۸۵ قصہ احد میں وہ لکھتے ہیں:۔

قال ابوسفیان افی القوم محمد فنهاهم رسول الله ان یجیبوہ ثم قال افی القوم ابن ابی قحافه مرتین افی القوم ابن الخطاب مرتین ثم اقبل علی اصحابه فقال اما هولاء فقد قتلوا وقد کفیتموهم فما ملک عمر نفسه فقال کذبت والله یا عدو الله

ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ کیا قوم میں محمد ہیں۔ پس حضرتؐ نے اسکو جواب دینے سے منع فرمادیا۔ پھر اسنے کہا کہ آیا قوم میں ابن ابی قحافہ ہے دو مرتبہ۔ آیا قوم میں ابن خطاب ہے دو مرتبہ۔ پھر اس نے اپنے اصحاب سے متوجہ ہو کر کہا کہ یہ لوگ تو قتل کئے جاچکے اور تم لوگ ان کے کام کو پورا کرچکے پس عمر اپنی طبیعت پر غالب نہ آسکے اور کہا کہ اے دشمن خدا تو کاذب ہے۔

پس جس طرح حضرت عمر باوجود ممانعت رسول جھٹ سے بول اوٹھے اور ابوسفیان کو جواب دیدیا۔ ویسا ہی حضرت علی نے بھی محو لفظ رسول اللہ میں تامل فرمایا اور محو نہ کیا۔ حالانکہ ان دونوں فعلوں میں بھی بہت فرق ہے وہاں محو کو رسولؐ نے حضرت علیؑ پر لازم نہیں فرمایا تھا اور یہاں سکوت و جواب نہ دینے کو رسول اللہ نے لازم کردیا تھا۔ لفظ نہی موجود ہے فنہاہم یہاں مصلحت کا تقاضا سکوت میں تھا کہ ابوسفیان کو جواب نہ دیا جائے مگر حضرت عمر کب ملنے والے تھے۔ اور وہاں محو میں خواہش کفار کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی کہ وہ محمد کے ساتھ لفظ رسول اللہ کو نہ دیکھ سکتے تھے

نمبر ۱۱ یہ معترض صاحب لکھتے ہیں "اگر حضرت علی کی خلافت کی وصیت تھی تو انھوں نے ابوبکر کی بیعت کیوں کی جیسا کہ آپ کی کتابوں سے ثابت

کیا جاچکا ہے"۔ میں کہتا ہوں کہ آپ بالکل غلط فرماتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے ہرگز حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی جواب سوال نمبر اول میں اس کو ثابت کرچکا ہوں۔ نہ ہماری کسی کتاب سے آپ نے ثابت کیا۔ ابن ابی الحدید کا قول ہرگز ہم پر حجت نہیں نہ وہ شیعی المسلک ہے۔

## جواب چہارم متعلق میراث پیغمبرؐ

آیت ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون کے متعلق ہمارے قابل مخاطب رقم طراز ہیں "بے شک عام آیت ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول بھی شریک ہوں جیساکہ وانکحوا الایامی منکم یعنی بیوہ عورتوں سے نکاح کرو۔ اس حکم سے آنحضرت کی بیویاں مستثنےٰ ہیں۔ اسی طرح ما طاب لکم من النساء الخ تعداد ازدواج کی چار تک اجازت ہے اور عمومیت ہے مگر آنحضرت اس میں شامل نہیں اور یہ استثناء قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ یہ حضور کے تعامل سے ثابت ہے کہ حضور نے نو بیبیاں کیں۔ اسی طرح ولکل جعلنا موالی میں جو استثناء ہے وہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث سے ثابت ہے"۔ عبارت بالا میں جب آیت مذکورہ کے عموم کو معترض نے تسلیم کرلیا تو اب پھر ان کا یہ فرمانا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول شریک بھی ہوں۔ بالکل بے معنی ہے۔ اگر صرف امکان تخصیص سے کسی آیت عام میں تخصیص ہوسکتی ہے تو پھر کوئی عام اپنے عموم پر باقی نہیں رہ سکتا اور ہر عام میں یہ امکان عقلی پیدا ہوسکتا ہے جس طرح عقلاً یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول شریک بھی ہوں۔ اسیطرح یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر عام سے رسول خارج بھی ہوں۔ جب تک کہ کوئی دلیل قطعی کہ جسمیں

صلاحیت تخصیص ہو موجود نہ ہو۔ کیا نماز امت پر واجب تھی اور رسولؐ
اس حکم سے مستثنےٰ تھے۔ روزہ امت پر فرض تھا اور پیغمبرؐ اس سے بری
تھے یا حج امت کے لئے لازم تھا اور نبیؐ سے وہ فریضہ ساقط تھا۔
خلاصہ کلام یہ کہ جب تک کوئی مخصص موجود نہ ہو ہر عام یقیناً اپنے عموم پر
باقی رہے گا۔ وانکحوا الایامیٰ کا حکم ازواج نبیؐ سے اس لئے ساقط
تھا کہ وازواجہ امہاتہم کی نص صریح موجود تھی جس نے اس حکم میں
تخصیص کردی۔ نبیؐ کے لئے نو بیبیوں کا جائز ہونا باجماع فریقین مختصات
نبی سے تھا۔ ہمارے قابل مخاطب فرماتے ہیں کہ رسول کے لئے نو بیبیوں
کا جواز اور چار ازواج کے حکم عام سے اس کا استثنا قرآن میں مذکور نہیں۔
معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کو تلاوت قرآن کا کم اتفاق ہوتا ہے ورنہ ان کے
قلم سے شاید یہ بات ہرگز نہ نکلتی۔ ان کو لازم ہے کہ سورہ احزاب کی تلاوت
غور کے ساتھ فرمائیں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے یایّھا النّبی انا
احللنا لک ازواجک الّتی اٰتیت اجورھن وماملکت یمینک
مما افاء اللہ علیک وبنت عمک وبنٰت عمٰتک وبنٰت خالک
وبنٰت خٰلٰتک الّٰتی ھاجرن معک وامرأۃ مومنۃ ان وھبت
نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون
المومنین یہ آیت واضح طور سے اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ
چار کے حکم عام سے مستثنےٰ تھے۔ خدا فرماتا ہے کہ اے ہمارے نبی ہم نے
تمہارے لئے تمہاری ان ازواج کو حلال کر دیا جن کا مہر تم دے چکے ہو
اور وہ کنیزیں جو خدا نے تم کو غنیمت میں عطا فرمائی ہیں اور تمہارے چچا
اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی لڑکیاں جنھوں نے تمہارے ساتھ ہجرت
کی اور وہ مومنہ جو اپنے نفس کو پیغمبر کے لئے ہبہ کر دے اگر نبی اس سے

نکاح کرنا چاہیں - یہ مومنین کے علاوہ خاص تمہارے لئے ہے - اب
میں اپنے قابل دوست سے دریافت کرتا ہوں کہ فرمائیں اس سے بالاتر
اور کیا استثناء کی دلیل ہوگی خالصۃ لک من دون المومنین کا
جملہ واضح طور سے اس مطلب کو ثابت کر رہا ہے - اب اسکے بعد اگر لا یحل
لک النساء من بعد کی آیت پر نظر کیجئے - دونوں کے ملانے سے نبی کے
لئے نو ازواج کا جواز ثابت ہوا جاتا ہے - اور آپ فرماتے ہیں "یہ حکم قران
میں موجود نہیں" - واہ ماشاء اللہ - پس لمحوظ رہے ما خرج خرج وبقی الباقی
جہاں پر کوئی مخصص واقعی موجود ہوگا حکم تخصیص جاری ہو جائے گا -
لیکن باقی کا خروج محتاج دلیل و نص صریح رہے گا - اب مجھے اجمال کے
ساتھ اس امر سے بحث کرنی ہے کہ جس حدیث کو معترض مورد تخصیص میں
پیش کر رہا ہے - آیا اس میں صلاحیت تخصیص پائی جاتی ہے یا نہیں -
پہلے تو یہ کہ خود یہی حدیث مابہ النزاع اور مورد کلام میں ہے کہ آیا نبی نے
اس کو اپنی زبان اقدس سے فرمایا یا نہیں - لہذا آیت ولکل جعلنا موالی الخ
کے اثبات تخصیص کے لئے اسکے علاوہ اور کوئی دلیل پیش کرنی معترض پر
فرض ہے ورنہ مصادرہ لازم آئے گا جو عقلاً باطل ہے اور درحقیقت
جو شے خود محل نزاع میں ہو اس کو دلیل قرار دینا عقلاً کب صحیح و درست
ہو سکتا ہے اور منطقیین نے اس کو باطل کر دیا ہے جو اپنے مقام پر ثابت
ہے - دوسرے مخصص کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مقارن عام ہو - اگر عام و
مخصص میں مقارنت نہ ہوگی تو اس میں صلاحیت تخصیص کسی طرح باقی نہیں
رہ سکتی - اسکے ثبوت کے لئے کتاب توضیح ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں :-
واختلف فی التخصیص بالکلام المستقبل فعند الشافعی یصح متراخیا
وعندنا لا - بل یکون نسخا ای المتراخی بل یکون نسخا یعنی اس مسئلہ

میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا کلام مستقبل سے تخصیص ہو سکتی ہے یا نہیں۔ پس شافعی کے نزدیک کلام مابعد کا مخصص ہونا جائز ہے لیکن ہمارے (احناف کے) نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ وہ ناسخ ہو جائیگا۔ یعنے کلام مابعد مخصص نہ ہوگا بلکہ حکم عام کو منسوخ کردیے گا یہ ظاہر ہے کہ آیۃ ولکل جعلنا موالی کا نزول حیات رسول میں بہت قبل ہو چکا تھا۔ اور حدیث نحن معاشر الانبیاء کا وجود وقت دعوے فدک ہوا ہے جو بد توں بعد ہے۔ اسکے قبل اس حدیث کو کسی نے بھی نقل نہیں کیا تھا۔ لیجئے۔ پھر کیا اب تو یہ حدیث مخصص نہ رہی بلکہ ناسخ ہوگئی اور اس بنا پر اب کوئی اولاد اپنے والد کی یا کوئی عزیز کسی کا وارث ہی نہ رہیگا پس جو شخص جس کا مال چاہے بلا تکلف لے لے۔ تیسرے یہ کہ خبر واحد اگرچہ عام کے مقارن ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ کسی طرح مخصص ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ صاحب تلویح اس قول کی شرح میں کہ حدیث عائشہ نسخ کتاب خدا پر دلیل ہے یا نہیں۔ تحریر کرتے ہیں وقیہ بحث لعدم النزاع فی ان الکتاب لا ینسخ بخبر الواحد اور اس میں بحث نہیں اسلئے کہ اس امر میں کوئی نزاع نہیں کہ قران خبر واحد سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اس عبارت سے بخوبی ثابت ہے کہ خبر واحد میں تخصیص یا نسخ قران کی صلاحیت نہیں غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ مسئلہ غسل رجلین میں بھی لکھا جا چکا ہے کہ خبر واحد سے کوئی حکم قران جو عام ہو منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ پھر ملاحظہ کیجئے۔ تفسیر کبیر جلد ثالث صـ ۱۵۷ میں وہ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| روی ان فاطمۃ لما طلبت المیراث و منعوھا منہ احتجوا بقولہ صـ نحن | روایت کی گئی ہے کہ جب فاطمہ نے میراث طلب کی اور وہ اپنے حق سے ممنوع کردی گئیں اور فاطمہ پر قول رسول |

معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا لا صدقۃ فعند ھذا احتجت فاطمہ بعموم قولہ ولذکر مثل حظ الانثیین وکانھا اشارت الی ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصہ بخبر الواحد۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکنا لا صدقہ سے احتجاج کیا گیا تو اس وقت فاطمہ نے آیت وللذکر مثل حظ الانثیین سے استدلال کیا گویا حضرت نے اس طرف اشارہ کیا کہ عموم قرآن کی تخصیص خبر واحد سے نہیں ہوسکتی۔

امام رازی کے قول مذکور سے دونوں باتیں ثابت ہوگئیں کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء از قبیل اخبار احاد ہے اور یہ کہ خبر واحد میں صلاحیت تخصیص کی بھی نہیں ہوسکتی۔ حدیث مذکور کے اخبار احاد میں داخل ہونے کے بہت سے ثبوت ہیں۔ منجملہ ان کے ملاحظہ کیجئے کہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء فصل ما وقع فی الخلافۃ ص۵۰ مطبوعہ دہلی۔ اور علامہ ابن حجر مکی کتاب صواعق محرقہ ص۱۹ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں۔ عبارتیں ہر دو کی متحد ہیں۔

واختلفوا فی میراثہ فما وجدوا عند احد من ذلک علما فقال ابو بکر سمعت رسول اللہ یقول انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقہ۔

لوگوں نے میراث نبی کے بارے میں اختلاف کیا۔ پس اسکے بارہ میں کسی کے پاس لوگوں نے کوئی خبر نہ پائی ابو بکر نے کہا کہ میں نے رسول خدا سے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔ ہم گروہ انبیاء میراث نہیں دیتے۔ ہم نے جو چھوڑا صدقہ ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی جلد چہارم جزء ۱۶ ص۲۳۸ میں لکھا ہے:-

وھذا ایضا مشکل لان فی اکثر الروایات انہ لم یرو ھذا الخبر

الا ابوبکر وحدہ ذکرہ اعظم المحدثین - ترجمہ:- اور یہ بھی مشکل ہے اس لئے کہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ اس خبر کو بجز ابوبکر کے کسی نے نقل نہیں کیا ہے - اور بڑے بڑے محدثین نے اس بات کو ذکر کیا ہے (یعنے یہ کہ تنہا ابوبکر اسکے راوی ہیں) - جناب عباس عم جناب رسالت مآبؐ اور خود حضرت علیؑ اس حدیث کی صحت کے قائل نہ تھے جو حضرت عمر کے بیان سے بخوبی ظاہر ہے دیکھئے صحیح مسلم جلد اول کتاب الجہاد صہ ۱

فلما توفی رسول اللہؐ قال ابو بکر انا ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثک من ابن اخیک وھذا میراث امرأتہ من ابیھا فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ صدقتہ فرأیتماہ کاذبا آثما غادرا خائنا۔

جب رسولخداؐ نے رحلت کی تو ابوبکر نے کہا کہ میں رسولخدا کا ولی ہوں۔ پس تم دونوں (عباس و حضرت علی) اپنی میراث کو طلب کرتے ہوئے آئے تم اپنے بھتیجہ کی میراث چاہتے تھے۔ اور یہ (حضرت علی) اپنی زوجہ کی میراث کے طلب گار تھے۔ ابوبکر نے کہا کہ رسول نے فرمایا ہے کہ ہم میراث نہیں دیتے ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ پس تم دونوں نے ان کو کاذب۔ گنہ گار۔ دغا باز۔ خائن سمجھا

آب تو غالباً ہمارے نکتہ رس معترض کو حدیث نحن معاشر الانبیاء کے اخبار احاد میں داخل ہونے بلکہ باطل ہونے میں کوئی شک نہ رہ گیا ہوگا - اسی کے ذیل میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے بافہم معترض نے آیت یرثنی ویرث من آل یعقوب اور اصول کافی کی ایک حدیث سے جو استدلال فرماکر یہ ثابت فرمانا چاہا ہے کہ اس سے مراد

وراثت علمی ہے بالکل غلط ہے۔ مجھے اپنے معترض کی ناواقفیت پر بیساختہ ہنسی آجاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فن تفسیر و حدیث سے بالکل بے بہرہ ہیں اولاً تو یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت خاص میں وراثت علمیہ ہی مراد ہے تو اس سے میراث حقیقی کی نفی کیونکر ثابت ہوسکتی ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص علم و کمال میں ید طولےٰ رکھتا ہے اور عرف عام میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص علم و کمال میں اپنے پدر کا وارث ہوگیا تو کیا وہ اسکے میراث مال سے محروم کر دیا جائیگا۔ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے۔

درانحالیکہ وراثت مالیہ کا سلسلہ انبیاء میں جاری رہا ہے۔ علامہ بیضاوی نے آیت اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد کے تحت میں نقل کیا ہے روی انہ علیہ السلام غزا دمشق و نصیبین و اصاب الف فرس وقیل اصابھا ابوہ من العمالقہ فورثھا منہ روایت کی گئی ہے کہ سلیمانؑ نے دمشق اور نصیبین میں جنگ کی اور ہزار گھوڑے پائے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کے پدر (حضرت داؤد) نے ان گھوڑوں کو قوم عمالقہ سے پایا تھا اور حضرت سلیمان نے اون سے میراث میں حاصل کئے۔ علامہ زمخشری نے بھی تفسیر کشاف میں عبارت مذکورہ کو نقل کیا ہے۔ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں بذیل لغت جواد جلد اول صـ۱۸۶ میں نقل کیا ہے وجمھور المفسرین علے انھا کانت خیلا موروثۃ جمہور مفسرین اسلام کے قائل ہیں کہ یہ گھوڑے جناب سلیمان کو میراث میں ملے تھے۔ ان اقوال سے بخوبی منکشف ہوگیا کہ جناب سلیمان وارث جناب داؤد کے ہوئے۔ پھر انبیاء میں میراث کی نفی کرنی کیا معنے۔ حالانکہ خود خدا فرماتا ہے: وورث سلیمان داؤد۔ بہر حال اب اپنی پیش کردہ آیت کے متعلق اختلافات واقعہ کو دیکھئے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد پنجم صـ۵۲۱ مطبوعہ مصر

واختلفوا فی المراد بالمیراث علی وجوہ احدھا ان المراد بالمیراث فی الموضعین وراثة المال وھذا قول ابن عباس والحسن والضحاک ثانیھا ان المراد فی الموضعین وراثة النبوة وھو قول ابی صالح ثالثھا یرثنی المال ویرث آل یعقوب النبوة وھو قول السدی ومجاھد والشعبی وروی ایضاً عن ابن عباس والحسن والضحاک ورابعھا یرثنی العلم ویرث آل یعقوب النبوة وھو مروی عن مجاھد۔

مفسرین نے کئی وجہوں پر اختلاف کیا ہے کہ میراث سے کیا مراد ہے۔ ایک یہ کہ ہر دو مقام پر (یرثنی ویرث من آل یعقوب) وراثت مال مراد ہے اور یہ ابن عباس وحسن کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر دو محل پر وراثت نبوت مراد ہے۔ اور یہ ابوصالح کا قول ہے تیسرے یہ کہ یرثنی سے میراث مال اور یرث آل یعقوب سے میراث نبوت مراد ہے اور یہ سدی و شعبی ومجاہد کا قول ہے۔ ابن عباس وحسن وضحاک سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ چوتھے یہ کہ میرا وارث علم ہو اور آل یعقوب کا وارث نبوت ہو اور یہ مجاہد سے مروی ہے۔

پھر امام رازی چند سطروں کے بعد صفحہ مذکورہ میں لکھتے ہیں:۔

واحتج من حمل اللفظ علی وراثة المال بالخبر والمعقول اما الخبر فلقوله علیه السلام رحم الله

جس شخص نے لفظ کو وراثت مال پر حمل کیا ہے اس نے حدیث و دلیل عقلی سے احتجاج کیا ہے لیکن حدیث۔ پس ارشاد پیغمبر ہے

زكريا ما كان له من يرثه
وظاهره يدل على ان
المراد ارث المال واما
المعقول فمن وجهين
الاول ان العلم والسيرة
والنبوة لا تورث بل
لا تحصل الا بالاكتساب
فوجب حمله على المال
الثاني قال واجعله
رب رضيا ولو كان
المراد من الارث ارث
النبوة لكان قد
سئل جعل النبي رضيا
وهو غير جائز لان
النبي لا يكون الا رضيا
معصوما

کہ خدا زکریا پر رحم کرے کہ ان کے لئے
کوئی نہ تھا جو اُن کا وارث ہو۔
اور ظاہر خبر اس امر پر دلالت
کرتا ہے کہ مراد اس سے وراثت
مال ہے ۔ لیکن دلیل عقلی پس دو
وجہوں سے ۔ پہلے یہ کہ علم و نبوت
و سیرت قابل توریث نہیں بلکہ
اکتسابی چیز ہے ۔ پس مال پر اس کا
حمل کرنا واجب ہے ۔ دوسرے
یہ کہ زکریا نے دعا کی واجعلہ رب
رضیا اگر میراث سے مراد میراث
نبوت ہو گی تو معنے یہ ہو جائیں گے
کہ نبی کو پسندیدہ قرار دے ۔ اور
یہ جائز نہیں اس لئے کہ نبی
خود نہیں ہو سکتا مگر پسندیدہ
اور معصوم ۔

اسکے بعد امام رازی صفحہ مذکورہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں ۔

والاولى ان يحمل ذلك
على كل ما فيه نفع وصلاح
في الدين وذلك يتناول
النبوة والعلم والسيرة
الحسنة والمنصب النافع

اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو ہر اس
چیز پر حمل کرنا چاہئے جس میں
نفع و صلاحیت دینیہ ہو ۔ اور یہ
نبوت و علم و سیرت حسنہ
اور منصب نافع فی الدین اور

| | |
|---|---|
| فی الدین والمال الصالح فان کل ھذہ الامور مما یجوز توفر الدواعی علی بقائہا لیکون ذلک النفع دائما مستمرا۔ | مال صالح پر شامل ہے اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک اس قسم میں سے ہے کہ جس کے بقا کے دواعی اور اسباب کا کثیر ہونا جائز و ممکن ہے تاکہ نفع دوامی و استمراری ہو۔ |

عبارات مذکورہ سے یہ امر بخوبی واضح اور روشن ہوگیا کہ آیت سابقہ میں ہر دو مقام پر علم کا مراد لینا جو قول دوم ہے۔ یا ایک مقام پر علم یا اور ایک محل پر نبوت کا مراد لینا جو قول چہارم ہے۔ از قبیل اجاد ہے اس لئے کہ قول دوم کا قائل صرف ابو صالح ہے۔ اور قول چہارم محض مجاہد کا ہے۔ پس یہ دونوں قول اول یا قول ثالث کے مقابلہ میں کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً جب کہ قول رسول و دلیل عقلی سے اسکی تائید بھی ہو رہی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ زکریا کے لئے کوئی حرج نہ تھا کوئی ان کا وارث ہوتا۔ اس سے وراثت مالیہ ہی مستفاد ہوتی ہے۔ علم ایک اکتسابی چیز ہے جو قابل توریث نہیں۔ اور نبوت ایک وہبی امر ہے۔ پس وراثت علمیہ کس طرح مراد لی جا سکتی ہے۔ اگر نبوت قابل میراث ہوتی تو جناب اسماعیل کے بعد حضرت اسحاق اور ان کے اولاد کیطرف عود نہ کرتی بلکہ اولاد اسمٰعیل اسکی زیادہ مستحق سمجھی جاتی۔ اور میراث علم و نبوت مراد لینے میں دعائے زکریا بھی عبث و مہمل ہو جاتی ہے۔ نبی کو پسندیدہ قرار دینے کی دعا آخر کیا معنے رکھتی ہے۔ کیا نبی پسندیدہ نہیں ہوتا کہ حضرت زکریا فرماتے ہیں واجعلہ رب رضیا۔ زیادہ سے زیادہ آپ وراثت مالیہ کے ساتھ وراثت علمیہ کو بھی مراد لے سکتے ہیں جیسا کہ امام رازی نے تحریر کیا ہے

اور یہ ہمارے لئے کسی طرح مضر نہیں۔

باقی رہی اصول کافی کی وہ روایت جو فضیلت علم میں حضرت صادق آل محمدؐ سے وارد ہوئی ہے اور ہمارے مخاطب بافہم نے اپنی خوش فہمی سے اس مقام پر پیش کی ہے۔ پس اولاً تو میری تقریر سابق سے اس کا بھی جواب ہو گیا جو محتاج توضیح نہیں۔ دوسرے یہ کہ معترض کو الفاظ حدیث پر نظر کرنی چاہیئے۔ فہمیدن سخن ما ہنر است نہ کہ بر ما اعتراض کردن ایک مشہور مقولہ ہے۔ حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ لم یورثوا دینارا ولا درھما اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام درہم و دینار جمع کر کے چھوڑ نہیں جاتے کہ کوئی میراث ملے۔ یہ ایک واقعہ کی حیثیت سے ہے اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی نبی مال چھوڑ جائے تو اسکی اولاد مثل حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے محروم کر دی جائیگی علاوہ ازیں حدیث میں درہم و دینار کا ذکر ہے۔ عقار و زمین و مکانات کی نفی اس حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ معترض کے مفید مطلب ہو سکے۔ اور دوسری حدیث میں بھی وراثت علمیہ سے وراثت مالیہ کی نفی نہیں ثابت ہوتی۔ اب میں پھر بحث اصلی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ خبر نحن معاشر الانبیاء میں تخصیص کی صلاحیت نہیں۔ دو دلیلیں اس باب میں سابقاً لکھی جا چکی ہیں۔ تیسری وجہ جو ان ہر دو کے مغائر ہے یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ خبر مذکور عموم آیت ولکل جعلنا موالی کے مقارن نہ تھی اور خبر واحد میں صلاحیت تخصیص بھی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ فدک کو حضور انور نے اپنی پارہ جگر فاطمہ زہرا کو اپنی حیات میں ہبہ فرما دیا تھا قاعدہ یہ ہے کہ جب واہب کسی شے کو ہبہ کر دیتا ہے تو وہ موہوب لہ کی مملوک ہو جاتی ہے۔ پھر فدک ما ترکنا کی حد میں داخل ہی کیونکر ہو سکتا ہے

کہ حدیث مذکور سے استدلال کیا جاسکے۔ اس کے ثبوت کے لئے علمار کبار اہلسنت کے اقوال کو دیکھئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور جلد چہارم صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ مصر آیت وآت ذاالقربےٰ حقہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

اخرج البزار وابویعلے وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری رضی قال لما نزلت ھذہ الآیۃ دعا رسول اللہ فاطمۃ فاعطاھا فدکؑ واخرج ابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما نزلت وآت ذاالقربےٰ حقہ اقطع رسول اللہ ص فاطمۃ فدکا۔

بزار اور ابویعلے اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو رسولخدا نے فاطمہ کو بلایا اور فدک انکو عطا کیا۔ اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت وآت ذاالقربےٰ حقہ نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے فدک کو بطور جاگیر کے فاطمہ زہرا کے لئے علحدہ کردیا۔

کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفے جلد دوم باب ششم فصل دوم صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ مصر۔

ذکر المجد فی ترجمۃ فدک ما یقتضی ان الذی دفعہ عمر الی علی والعباس رضی اللہ عنہم ووقعت الخصومۃ فیہ ھو فدک فانہ قال فیھا وھی التی کانت فاطمۃ ادعت ان رسول اللہ نحلیتھا

مجد نے ترجمہ فدک میں ذکر کیا ہے کہ وہ شے جو عمر نے عباس و حضرت علی کو دیدی تھی اور اس کے بارے میں نزاع واقع ہوئی تھی۔ بے شک وہ فدک ہی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے فاطمہ نے دعوے کیا تھا کہ رسول خدا نے ان کو ہبہ کردیا ہے۔ پس ابوبکر

فقال ابو بکر اریدبذلک شهوداً فشهد لها علی فطلب لها شاهداً آخر فشهدت لها ام ایمن۔

نے کہا کہ میں اس پر شاہد چاہتا ہوں حضرت علی نے گواہی دی۔ ابو بکر نے دوسرا گواہ طلب کیا تو ام ایمن نے گواہی دی۔

شرح مواقف چھاپہ لکھنؤ ص ۷۳۵ میں ہے:-

ادعت فاطمة انه علیه السلام نحلها ای اعطاها فدکا نحلة ای عطیة وشهد علیه علی والحسن والحسین وام کلثوم والصحیح ام ایمن

فاطمہ نے دعوے کیا کہ پیغمبر خدا نے فدک کو ادنھیں ہبہ کیا یعنے فدک ان کو دے دیا بطور نحلہ یعنے عطیہ کے اور اس پر علی اور حسن اور حسین اور ام کلثوم نے گواہی دی اور صحیح یہ ہے (بجاے ام کلثوم) ام ایمن نے گواہی دی۔

تفسیر کبیر جلد ہشتم تفسیر سورہ حشر ص ۱۲۵ مطبوعہ مصر

فلما مات ادعت فاطمة علیها السلام انه کان نحلها فدکا

جب نبیؐ کا انتقال ہوا تو فاطمہ علیہا السلام نے دعوے کیا کہ پیغمبر نے فدک ان کو ہبہ کر دیا تھا۔

صواعق محرقہ باب اول فصل پنجم ص ۲۲ مطبوعہ مصر۔

فاتته فاطمة فقالت ان رسول الله اعطانی فدک فقال هل لک بیّنة فشهد لها علی وام ایمن۔

پس فاطمہ ابو بکر کے پاس آئیں اور کہا کہ رسول خدا نے مجھے فدک عطا کیا ہے ابو بکر نے کہا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۔ پس حضرت علی و ام ایمن نے گواہی دی۔

یہاں پر ایک لطیفہ اور قابل سماعت ہے۔ دیکھیے شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۰۵

سئلت علی بن الفارقی مدرس المدرسۃ العربیۃ ببغداد فقلت لہ اکانت فاطمۃ صادقۃ قال نعم قلت فلم لم یدفع الیہا ابوبکر فدک وھی عندہ صادقۃ فتبسم ثم قال کلاما لطیفا مستحسنا مع ناموسہ وحرمتہ وقلۃ دعابتہ قال لو اعطاھا الیوم بمجرد دعواھا لجائت الیہ غدا وادعت لزوجھا الخلافۃ وزحزحتہ عن مقامہ ولم یکن یمکنہ الاعتذار والموافقۃ بشئی لانہ یکون قد سجل علی نفسہ بانھا صادقۃ فیما تدعی کائنا ما کان من غیر حاجۃ الی بینۃ ولا شھود وھذا الکلام صحیح وان کان اخرجہ مخرج الدعابۃ

میں نے علی بن فارقی سے جو مدرسۂ عربیہ بغداد میں مدرس تھے۔ سوال کیا کہ آیا فاطمہ زہرا (دعوے میں) صادق تھیں اونھوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر ابوبکر نے کیوں فدک واپس نہ کردیا۔ درانحالیکہ وہ ان کے نزدیک سچی تھیں۔ پس وہ ہنسے اور باوجود اسکے کہ وہ کم مزاح کرنے والے آدمی تھے۔ اپنی عزت وحرمت کے ساتھ ایک لطیف ومستحسن جواب دیا اور کہا کہ اگر محض انکے دعوے پر فدک ان کو ابوبکر دے دیتے تو دوسرے دن فاطمہ ان کے پاس آتیں اور اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعوے کرتیں اور ابوبکر کو انکی جگہ سے ہٹا کے چھوڑتیں اور ابوبکر نہ عذر کرسکتے نہ موافقت اسلئے کہ صدق فاطمہ کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہوتا۔ اب جو بھی وہ دعوے کرتیں حاجت گواہ ودلیل نہ ہوتی۔ اور یہ کلام بالکل صحیح ہے۔ اگرچہ بطور مزاح کہا گیا ہے۔

اس عبارت سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو فاطمہ زہرا کا دعوے فدک کرنا جو فرع ہبہ رسول خدا ہے۔ دوسرے فاطمہ زہرا کا اپنے دعوے میں صادق

ہونا- تیسرے ابوبکر کا فدک پر زبردستی قابض ہونا - چوتھے اس بات کا خوف ہونا کہ اگر فدک گیا تو خلافت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خلافت میں بھی حق پر نہ تھے - پانچویں باوجود صدق فاطمہ زہرا اپنے غلط دعوے پر اڑے رہنا (بے شک بہادروں کا یہی شیوہ ہوتا ہے) - شیخ امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی بغدادی اپنی کتاب معجم البلدان میں بذیل لغت فدک ص۲۴۲ میں لکھتے ہیں کہ فدک حجاز میں ایک قریہ ہے کہ مدینہ اور اسکے درمیان میں دو یا تین دن کی راہ کا فاصلہ ہے - فدک رسولخدا ص کو بغیر جنگ کئے ہوئے بطور صلح حاصل ہوا تھا - اس کے بعد علامہ مذکور ص۲۴۳ میں لکھتے ہیں :-

فکانت خالصة لرسول الله ص وفیها عین فوارة ونخیل کثیرة وهی التی قالت فاطمة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نحلنیها فقال ابوبکر رضی الله عنه ارید لذلک شهودا ولها قصة

پس وہ خالص رسولخدا ص کے لئے تھا۔ اس میں ایک جوش مارنے والا چشمہ اور بہت سے درخت خرمہ کے باغ تھے اور یہی وہ چیز ہے جسکے متعلق فاطمہ زہرا نے فرمایا تھا کہ رسولخدا نے مجھے ہبہ کیا ہے - پس ابوبکر نے کہا کہ میں اس کے لئے گواہ چاہتا ہوں اور اس کا ایک مشہور قصہ ہے۔

ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ سرور کائنات ص نے فدک فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ہبہ فرما دیا تھا اور وہ حضرت فاطمہ کا مال ہو گیا تھا پھر وہ ما ترکناہ کے تحت میں کس طرح داخل ہو سکتا ہے کہ وہ صدقہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ باعتراف حضرت عمر جناب عباس اور حضرت علی فدک کے لے لینے والے کو - خائن - غادر - گنہ گار سمجھتے تھے - روایات مذکورہ سے یہ بھی ثابت

ہو گیا کہ حضرت علی جناب فاطمہ زہرا کے شاہد تھے۔ پھر معترض کا یہ کہنا کہ "حضرت علی کے نزدیک بھی یہ ورثہ قابل تقسیم نہ تھا" غلط اور سراسر غلط ہے۔ معترض پر لازم ہے کہ اس کا ثبوت ہماری کتابوں سے پیش کرے صرف زبان سے کہ دینے یا قلم کے لکھ دینے سے کسی امر کا ثبوت نہیں ہو جایا کرتا۔ معترض کی عادت ہے کہ ایک ہی اعتراض یا سوال کو بار بار دھرایا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سوال کے آخر میں بھی حجاج السالکین کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جو سوال اول میں پیش کیا جا چکا ہے۔ میں اس کا جواب بھی کمال شرح و بسط سے لکھ چکا ہوں کہ حجاج السالکین کا مذہب شیعہ میں کوئی وجود نہیں۔ اور اگر معترض کو اس کا ادّعا ہے تو مہربانی کر کے اس کتاب کو وہ پیش کریں۔ اسکے مصنف کا نام بتلائیں جس مطبع میں یہ کتاب طبع ہوئی ہو اور جس صفحہ میں انکی عبارت منقولہ موجود ہو واضح کریں۔ میں موصوف کی خدمت میں کچھ انعام بھی پیش کروں گا۔ میں اس کے مقابلہ میں روایات کثیرہ سے اس امر کو ثابت کر چکا ہوں کہ فاطمہ زہرا قطعاً ابوبکر سے راضی نہ ہوئیں اور ہمیشہ ان سے غمگین و رنجیدہ رہیں۔ معترض کی عیاری قطعاً کام نہیں آسکتی۔ امام بخاری نے بھی تصریح کر دی ہے کہ مرتے دم تک مہاجرت باقی رکھی اور مکالمہ نہ فرمایا۔ مہربانی کر کے معترض صاحب روایات سابقہ پر پھر نظر غائر فرمائیں اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں۔

## جواب نمبر ۵: عمر بن عبدالعزیز کے رد فدک کی تحقیق

پانچویں سوال میں ہمارے معترض نے دو امر تحریر کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے نزدیک حضرت ابوبکر کا فعل (فاطمہ زہرا کو ان کے حق سے محروم کر دینا) قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ دوسرے رد فدک عمر ابن عبدالعزیز سے

انکار کیا ہے کہ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے کہ ایسا ہوا۔ اور اگر ہوا تو
کن وجوہ کے ماتحت یہ امر واقع ہوا۔ امر اول کے متعلق مجھے صرف
اس قدر کہنا ہے کہ اسکے قبل کمال توضیح وتشریح سے اس امر کو ثابت
کر چکا ہوں کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء خبر واحد بلکہ خبر باطل ہے
اور عموم قرآن کی تخصیص ایسی خبر سے نہیں ہو سکتی۔ جناب فاطمہ زہرا نے
ہبہ فدک کا دعوے بھی فرمایا تھا کہ رسولخدا انکو عطا فرما چکے تھے
پس ان وجوہ سے بخوبی واضح و روشن ہے کہ جناب خلیفہ اول کا فعل
یقیناً قرآن و حدیث کے خلاف تھا۔ باقی رہا دوسرا مسئلہ یعنے رد فدک
پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ آیا درحقیقت معترض کی ناواقفیت پر اس کا
انکار مبنی ہے یا یہ محض ان کا تجاہل ہے۔ اس کا انکار ایسا ہی ہے
کہ باوجود طلوع آفتاب کوئی شخص وجود نہار کا انکار کرجائے۔ یا کوئی
آفتاب پر ایک مشت خاک ڈال کر اسکے نور کو چھپانا چاہے۔ لیکن یہ یاد
رہے کہ نور آفتاب ایک مشت خاک سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہو سکتا
بلکہ اس امر کا خوف ہے کہ خاک لوٹ کر اسکی آنکھوں میں پڑ جائے اور
اس کو نابینا بنا دے۔

ہمارے معترض صاحب کو عمر بن عبدالعزیز کے رد فدک کا انکار ہے۔
اگر ان کو کہیں وہ تمام انقلابات معلوم ہو جائیں جو فدک پر واقع ہوتے
رہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ فرط حیرت و تعجب سے ان کا کیا حال ہو جائیگا
اچھا اب ذرا کتاب معجم البلدان مولفہ شیخ امام شہاب الدین ابوعبداللہ
الحموی الرومی البغدادی صفحہ ۳۴۳ مطبوعہ مصر جلد ششم ملاحظہ کیجئے آپ کو
ان تمام انقلابات کا علم ہو جائے گا جو فدک پر واقع ہوتے رہے اور
اسی سے یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ عمر بن عبدالعزیز نے اولاد فاطمہ زہرا ع

کی طرف فدک کو رد کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ فاطمہ کا مال نہ ہوتا تو انکی
اولاد کو کیوں واپس کیا جاتا۔

فلما ولی عمر بن عبد العزیز
الخلافة کتب الی عامله
بالمدینة یامره برد فدک الی ولد
فاطمة رض فکانت فی ایدیهم فی ایام عمر
بن عبد العزیز فلما ولی یزید بن
عبد الملک قبضها فلم تزل فی ایدی
بنی امیة حتی ولی ابو العباس السفاح
الخلافة فدفعها الی الحسن بن الحسن
بن ابی طالب فکان هو القیم علیها یفرقها
فی بنی علی بن ابی طالب فلما ولی المنصور
وخرج علیه بنو الحسن قبضها
عنهم فلما ولی المهدی بن المنصور
الخلافة اعاد علیهم ثم
قبضها موسے الهادی
ومن بعده الے ایام
المامون فجاء رسول
بنی علی بن ابی طالب فطالب
بها فامر ان یسجل
بهم فکتب السجل وقرئ
علے المامون فقام

پس جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے
تو اپنے عامل مدینہ کو لکھا کہ فدک اولاد
فاطمہ کو واپس کر دیا جائے۔ پس ان کے
عہد میں بنی ہاشم کے قبضہ میں رہا۔ اور
جب یزید بن عبدالملک والی ہوا تو
اُس نے پھر قبضہ کر لیا اور برابر بنی امیہ
کے ہاتھ میں رہا تا اینکہ ابو العباس خلیفہ
ہوا پس اس نے پھر حسن بن حسن بن علی
بن ابی طالب کو واپس کر دیا اور وہ اس پر
متصرف رہے اور اولاد علی کے درمیان
میں تقسیم کرتے تھے۔ جب منصور والی ہوا
اور اولاد حسن نے اس پر خروج کیا تو
منصور نے پھر ضبط کر لیا۔ اور جب مہدی
بن منصور والی خلافت ہوا تو اس نے
پھر ان لوگوں کو واپس کر دیا اور موسے
ہادی نے پھر قبضہ کر لیا اور زمانہ مامون
تک اسیطرح رہا۔ اوس وقت اولاد علی
کا قاصد آیا اور فدک کا مطالبہ کیا۔ مامون
نے حکم دیا کہ اولاد علی کیلئے فدک کا فرمان
لکھدیا جائے اور مامون کو لکھ کر سنایا گیا

دعبل الشاعر وانشد

ع

اصبح وجہ الزمان قد ضحکا

برد مامون ھاشم فدکا

پس دعبل شاعر کھڑا ہوگیا اور اس نے یہ شعر پڑھا۔ زمانہ کا چہرہ مامون کے فدک واپس کردینے کی وجہ سے ہنسنے لگا۔

اب تو غالباً معترض کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ فدک پر کیا کیا تغیرات واقع ہوئے اور جو منصف مزاج خلیفہ ہوئے وہ برابر اس کو واپس کردیتے تھے سب سے زیادہ معترض کو اس پر تعجب عارض ہوگا کہ خود خلیفہ دوم کے بھی فدک کو واپس کردینے کی خبر آگئی ہے۔ چنانچہ علامہ ممدوح کتاب معجم البلدان ج۱ ص۳۴۳ میں لکھتے ہیں:۔

ثم ادی اجتہاد عمر بن الخطاب بعدہ لما ولی الخلافۃ وفتحت الفتوح واتسعت علی المسلمین ان یردھا الی ورثۃ رسول اللہ ص

پھر ابوبکر کے بعد جب عمر بن خطاب والی خلافت ہوئے تو انکا اجتہاد اس طرف ہودی ہوا کہ رسولخدا کے وارثوں کی طرف اس (فدک) کو رد کردیں جب فتوح ہوئے اور مسلمانوں کو وسعت حاصل ہوئی

ابھی جواب نمبر چہارم میں کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی جاچکی ہے کہ خلیفہ دوم نے فدک کو حضرت علی و عباس کے حوالہ کردیا تھا۔ ملاحظہ ہو صفہ ۱۶ جلد دوم۔ یہاں پر میں اپنے بافہم معترض سے اس امر کا سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے نزدیک آیا خلیفہ اول کا اجتہاد صحیح تھا جب انھوں نے صدقہ قرار دیکر حضرت فاطمہ کے دعوے کو رد کردیا۔ اور فدک پر قبضہ کرلیا۔ یا آپ کے نزدیک خلیفہ دوم کا اجتہاد حق پر تھا کہ فتوح حاصل ہونے اور وسعت پیدا ہونے کے بعد وارثان رسول کی طرف رد کردینے کا ارادہ کیا بلکہ حضرت علی و جناب عباس کو واپس بھی کردیا۔ اور جب یہ مال صدقہ تھا تو اسکے

واپس کرنے کا حق اور جواز کہاں سے حاصل ہو گیا۔ نیز یہ بھی ارشاد
ہو کہ جناب خلیفہ ثانی کا اجتہاد اول درست تھا کہ جب میراث فاطمہ کے
متعلق نوشتہ ابوبکر کو چاک کر ڈالا تھا۔ دیکھئے سیرۃ حلبیہ کتب لکھا
بفدک فدخل علیہ عمر فقال ما ھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ
لمیراثھا عن ابیھا فشقہ یعنے ابوبکر نے فاطمہ زہرا کے لئے فدک
کے متعلق ایک تحریر لکھدی۔ پس عمر آئے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ ابوبکر
نے کہا کہ ایک تحریر ہے جو میں نے فاطمہ کو ان کے پدر کے میراث کے بارے
میں لکھدی ہے۔ پس عمر آئے اس کو چاک کر ڈالا (انتہیٰ) یا ثانی کا یہ
اجتہاد ثانی صحیح تھا کہ فدک حضرت علی و جناب عباس کے حوالہ کر دیا۔ ان
دونوں سوالات کے جوابات ذرا نہایت غور و فکر سے مرحمت فرمائیے گا۔
لیجئے یہ ہیں ان پانچ سوالوں کے جوابات جن کے متعلق معترض کو دعوے تھا
کہ کسی سے ان کے جوابات ممکن ہی نہیں ہیں۔ ان مسائل مذکورہ میں ہمارے
مخلص کرم فرما جن کے تعمیل ارشاد نے مجھے اس رسالہ کی تحریر پر مجبور کیا
اور ہمارے لائق معترض سے برابر گفتگو ہوتی رہی ہے۔ کمال استعجال
سے ان کے جوابات لکھے گئے جو ناظرین کرام کی خدمات میں حاضر کر دیئے
گئے۔ اب اس کے بعد ہمارے معترض نے بارہ سوالات اپنی طرف سے اور
وارد کئے ہیں۔ لہذا ان کے جوابات بھی حاضر کئے جاتے ہیں۔ ہر سوال کے
قبل موصوف کی عبارت سوال بعینہ نقل کر دی گئی ہے۔ سرنامہ میں وہ
تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے جوابات سے ممنون و مشکور فرمائیے لفظ ممنون کے
بعد مشکور کا استعمال کس قدر مناسب مقام ہے۔ افسوس جس شخص کو شاکر یا
متشکر اور مشکور کے درمیان میں فرق نہ معلوم ہو بھلا وہ عبارات عربیہ کو صحیح کیا
پڑھ سکیگا۔ لفظ مشکور کی داد معترض کو وہی حضرات دے سکتے ہیں جو کافی

ذوق عربیت رکھتے ہیں۔

نمبرا:۔ قولہ ومن یتول اللّٰہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللّٰہ هم الغالبون۔ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللّٰہ کا گروہ ہی غالب ہوتا ہے۔ حضرت علی کا خلفائے ثلثہ کے مقابلہ میں باوجود حق پر ہونے کے غالب نہ ہونا بتاتا ہے کہ نعوذ باللّٰہ حزب اللّٰہ میں داخل نہ تھے۔ نہ صرف یہ کہ وہ مغلوب رہے بلکہ برضا ورغبت خلفائے ثلثہ کی بیعت کی جیسے کہ آپ کے سوالات کے جوابات میں آپکی کتابوں ہی سے ثابت کیا گیا ہے۔

**(الجواب)** آپ نے اس آیت کو پیش فرمایا لیکن افسوس کہ اس کے قبل کی آیت سے جسکے سلسلہ میں یہ آیت واقع ہے اخفائے حق کی غرض سے غض بصر فرمایا۔ میں سلسلہ کلام کے لئے پہلے آیت ماقبل کو لکھتا ہوں تاکہ اصل مقصد واضح ہوسکے۔ خداوندکریم ارشاد فرماتا ہے انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ومن یتول اللّٰہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللّٰہ ھم الغالبون بس تمہارا حاکم اور اولے بالتصرف خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو حالت رکوع میں ادا کرتے ہیں۔ اور جو اللّٰہ اور اس کے رسول اور ایمان لانے والوں کو دوست رکھے گا پس بے شک حزب خدا ہی غالب ہے۔ جمہور مفسرین نے آیت ولایت کے شان نزول میں نقل کیا ہے کہ جب علی بن ابی طالب نے حالت رکوع میں انگشتری تصدق دی تو یہ آیہ شریفہ نازل ہوا ※

| | |
|---|---|
| روی عطاء عن ابن عباس انها نزلت فی علی بن | عطار نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور روایت کی گئی ہے |

※ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۱۹ میں لکھتے ہیں

ابی طالب علیہ السلام
روی ان عبد اللہ
بن سلام قال لما نزلت
ہذہ الآیۃ قلت
یا رسول اللہ انا رایت
علیا تصدق بخاتمہ
علی محتاج وہو
راکع فنحن نتولاہ۔
وروی عن ابی ذرؓ
انہ قال صلیت
مع رسول اللہ
یوما الظہر فسئل
سائل فلم یعطہ
احد فرفع السائل
یدہ الی السماء وقال
اللہم اشہد انی
سئلت فی مسجد الرسول
فما اعطانی احد
شیئا و علی علیہ السلام
کان راکعا فاوما
الیہ بخنصرہ الیمنی
وکان فیہا خاتم

کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبد اللہ بن
سلام نے کہا کہ میں نے خدمت رسول
میں عرض کی۔ یا رسول اللہ میں نے
علی کو دیکھا کہ اونھوں نے اپنی انگشتری
ایک محتاج کو حالت رکوع میں تصدق
دے دی پس ہم ان کو دوست رکھتے
ہیں۔ اور ابوذر سے روایت کی گئی ہے
اونھوں نے کہا کہ میں نے ایک دن نماز
ظہر رسول کے ساتھ پڑھی۔ پس ایک
سائل نے سوال کیا اور کسی نے اسکو
کچھ نہ دیا۔ پس سائل نے اپنا ہاتھ آسمان
کی طرف اوٹھایا اور کہا کہ خدایا گواہ رہ
میں نے مسجد رسول میں سوال کیا لیکن
مجھے کسی نے کچھ نہ دیا۔ اور علی علیہ السلام
رکوع میں تھے۔ پس آپ نے اپنی انگشت
خنصر راست سے اشارہ کیا جس میں ایک
انگشتری تھی۔ پس سائل آیا اور نبی کے
سامنے اس کو لے لیا۔ پس رسول نے
کہا کہ خدایا میرے بھائی موسےٰ نے تجھسے
سوال کیا اور کہا۔ اے پروردگار میرے
سینہ کو کشادہ کر قول خدا اشرکہ فی
امری تک۔ پس تو نے قرآن ناطق کو نازل

فاقبل السائل حتی اخذ الخاتم
بمرأی النبی فقال اللهم
ان اخی موسی سئلک فقال
رب اشرح لی صدری الی
قوله واشرکه فی امری
فانزلت قرانا ناطقا
سنشد عضدک باخیک
ونجعل لکما سلطانا اللهم
وانا محمد نبیک وصفیک
فاشرح لی صدری واجعل
لی وزیرا من اهلی علیا اشدد
به ظهری قال ابوذر
فوالله ما استتم رسول الله
هذه الکلمة حتی نزل
جبرئیل فقال یا محمد
اقرء انما ولیکم الله

کیا کہ ہم تمہارے بازو کو
تمہارے بھائی سے مضبوط کریں گے
اور تم دونوں کے لئے سلطان
قرار دیں گے۔ اور
میں محمد تیرا نبی اور تیرا
صفی ہوں۔
پس میرے سینہ کو
کشادہ کر۔ اور میرے لئے
اہل بیت سے علی کو
میرا وزیر قرار دے۔
ان سے میری پشت کو
مضبوط کر۔ ابوذر کہتے ہیں کہ بخدا
رسول کی دعا تمام نہ ہوئی تھی
تا اینکہ جبریل نازل ہوئے اور کہا
اے محمد پڑھو انما ولیکم اللہ الخ

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں گیارہ طریقوں سے اس آیت کے نزول کو حضرت علی علیہ السلام کی شان اقدس میں نقل کیا ہے چونکہ میری نظر اختصار پر ہے ورنہ ممکن ہے کہ طول مل ہو جائے۔ لہذا میں نے صرف حوالے پر کتفا کی اور نقل عبارت سے غض بصر کیا۔ میرے بیان کے ثبوت کے لئے ہمارے معترض صاحب زحمت فرما کر تفسیر مذکور جلد ۲ ص ۲۹۵ اور ۲۹۶ مطبوعہ مصر ملاحظہ کریں۔ پس بخوبی واضح و منکشف ہو گیا

کہ یہ آیت مبارکہ حضرت علی کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ اب ترتیب آیات پر نظر کیجئے۔ اولاً خدا فرماتا ہے کہ تم لوگوں کا حاکم خدا ہے اور رسول اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوۃ کو بحالت رکوع ادا کرتے ہیں۔ مراد اس سے حضرت علیؑ ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسول کو اور ایمان والے یعنے حضرت علی کو دوست رکھے گا (وہی لوگ حزب خدا میں داخل ہوں گے) اور اونھیں کو غلبہ حاصل ہو گا۔ چونکہ پہلی آیت میں الذین امنوا سے بنص روایات وتصریح مفسرین علی بن ابی طالب علیہ السلام مراد ہیں۔ لہذا آیت مابعد میں بھی وہی مراد ہوں گے جیسا کہ میں آئندہ اس کو بھی روایات سے واضح کئے دیتا ہوں۔ مراد آیت کچھ ہے اور ہمارے لائق معترض صاحب اوسکو دوسرے محل میں صرف کرنا چاہتے ہیں پس اب مقصود آیت یہ ہوا کہ جو خدا اور رسولؐ اور علیؑ کو دوست رکھے گا اوسکو غلبہ حاصل ہو گا اور بحمد اللہ فرقہ حقہ ناجیہ کو سلف سے آج تک برابر تائید دین ومذہب میں غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنی ہٹ دھرمی سے اقرار نہ کرے تو یہ اور بات ہے۔ اسکی مثال بعینہ یہی ہو گی کہ کفار قریش آیات وجود خدا کا برابر مشاہدہ کرتے رہے۔ رسالت رسول خدا کی برابر علامتیں دیکھتے رہے لیکن پھر بھی زبان سے اقرار نہ کیا جحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا۔ آپ کو لفظ حزب کے معنے بھی معلوم نہ ہوں گے۔ دیکھئے تفسیر کبیر امام رازی جلد ۳ صفحہ ۴۲۲ و ۴۲۳۔

| | |
|---|---|
| المسئلة الاولى الحزب فى اللغة اصحاب الرجل | پہلا مسئلہ۔ حزب لغت میں کسی شخص کے اُن ساتھیوں کو کہتے ہیں کہ |

الذین یکونون معہ علی رایہ وھم القوم الذین یجتمعون لامر حزبھم وللمفسرین عبارات قال الحسن جند اللہ وقال ابوروق اولیاء اللہ وقال ابو العالیہ شیعۃ اللہ وقال بعضھم انصار اللہ وقال الاخفش حزب اللہ الذین یدینون بدینہ ویطیعونہ فینصرھم

اور اسکے ساتھ اسکی راے پر چلتے ہوں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں جو حزب کے کام کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور اس کی تفسیر میں مفسرین کی کئی عبارتیں ہیں۔ حسن نے کہا کہ لشکر خدا مراد ہے ابوروق کہتا ہے کہ اولیاء خدا مراد ہیں۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ شیعہ خدا مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ انصار خدا مراد ہیں۔ اور اخفش نے کہا کہ حزب اللہ وہ لوگ ہیں جو اس شخص کے دین پر چلیں اور اس کی اطاعت کریں پس وہ ان کی مدد کرے۔

اب ذرا معانی حزب کو آیت کے معنے پر منطبق کیجئے تو آپ کو معلوم ہوجاے کہ جو لوگ خدا اور رسول ص و علی ع کی حکومت کو تسلیم کرنے والے اور اون کو دوست رکھنے والے ہیں وہ فوج خدا یا انصار خدا یا اولیاے خدا یا شیعہ خدا ہیں جن کو غلبہ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ امام رازی نے خود حزب کے معنے شیعۃ اللہ کے نقل کئے ہیں جسکے بعد آپ کو کوئی شک باقی نہ رہنا چاہیئے۔ اب فرمائیے شیعہ علی ع کون ہیں۔ جو شیعہ علی ع ہوگا وہی شیعہ خدا بھی ہوگا۔ اگر آپ اس کا استناد روایت سے چاہتے ہوں تو اس طرح دیکھیئے کہ علامہ واحدی تفسیر اسباب النزول

صہ۱۴۹ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں:۔

ثم ان النبی ص خرج الی المسجد والناس بین قائم وراکع فنظر سائلا فقال اعطاک احد شیئا قال نعم قال من اعطاک قال ذالک القائم ثم واوما بیدہ الی علی بن ابی طالب فقال علی ای حال قال اعطانی وھو راکع فکبر النبی ثم قرأ ومن یتول اللّٰہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللّٰہ ھم الغالبون

جناب رسولخداؐ مسجد کی طرف تشریف لے چلے اور کچھ لوگ قیام میں تھے اور بعض رکوع میں تھے۔ پس آپ نے ایک سائل کو دیکھا اور فرمایا کہ تجھ کو کسی نے کوئی شے دی۔ اس نے کہا ہاں۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ کس نے تجھ کو دیا۔ اس نے کہا کہ اس شخص نے جو قائم ہے اور اپنے ہاتھ سے علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا کس حال میں دیا اس نے کہا کہ حالت رکوع میں مجھے عطا کیا۔ پس نبی نے تکبیر کہی اور اس آیت کی تلاوت کی۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ اور ایمان لانے والے کو دوست رکھے گا۔ پس بے شک حزب خدا ہی غالب آنے والا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر درمنثور جلد ۲ صہ۲۹۴ میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ اب تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ الذین آمنوا سے علی ہی مراد ہیں جنھوں نے حالت رکوع میں انگشتری دی تھی۔ اور حزب اللہ سے ان کے دوست رکھنے والے مراد ہیں جن کو بفضل خدا غلبہ حاصل ہوتا

رہتا ہے۔

نمبر۷۔ قولہ:۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ خدا تم میں ان کو خلیفہ بنائے گا جو دین کو زمین پر قائم کریں گے اور خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ خدا تعالےٰ نے اس قول کو اپنے فعل سے سچ کر دکھایا خدا نے جو وعدے تائید و نصرت کے اپنے رسول مقبول سے فرمائے تھے وہ آنحضرت سے شروع فرما کر حضرت عثمان تک پورے فرمائے۔ قیصر و کسرےٰ جیسے جباروں کو ان کے خادموں کے پاؤں تلے روندا۔ فارس کی کنجیاں حضرت عمر کے ہاتھ آئیں۔ دیکھو ناسخ التواریخ۔ پس آیت استخلاف کے ماتحت خلفائے ثلثہ کی خلافت سے انکار کے کیا وجوہ ہیں۔

(الجواب) معترض نے آیت مذکورہ کا مصداق حضرات خلفائے ثلثہ کو قرار دیکر اس آیت سے ان کی خلافت کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ ممدوح کو نہ اپنے اصول مسلمہ سے واقفیت ہے اور نہ درک معانی قرآن میں شعور حاصل ہے۔ اولاً معترض کو اس امر کا خیال کرنا چاہئے کہ فرقہ اہلسنت کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ خلافت ابوبکر اجماع سے منعقد ہوئی تھی خدا یا رسول نے ان کی خلافت پر کوئی نص نہیں فرمائی تھی۔ اگر کسی نص کا وجود ہوتا تو بروز سقیفہ خلافت ابوبکر کے اثبات کے لئے ضرور پیش کی جاتی۔ اس کا اعتراف خود خلیفہ دوم نے اپنے آخر وقت میں کیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ میں اگر اپنے مابعد

کے لئے کسی کو خلیفہ مقرر کر جاؤں تو مجھ سے پہلے اس شخص نے خلیفہ مقرر کیا ہے جو مجھ سے افضل تھا یعنے ابو بکر - اور اگر میں کسی کو مقرر نہ کر جاؤں تو مجھ سے پہلے اس شخص نے استخلاف کو ترک کیا ہے جو مجھ سے اور ابو بکر ہر دو سے افضل تھا یعنے رسول اللہ - اس کلام میں عدم نص کا اقرار ظاہر لفظا ہر موجود ہے - اب اگر اس آیت کا تعلق خلفائے سے فرض کیا جائے گا تو نص کا وجود ہو جائیگا جو خلاف مسلمہ اہلسنت ہوگا - اور اگر درحقیقت اس سے مراد حضرات ثلثہ ہی تھے تو سقیفہ کے دن کیوں اس سے احتجاج نہ کیا گیا - علمائے متقدمین اہلسنت نے اثبات خلافت ابو بکر کے لئے اس کو کیوں نہ پیش کیا - اصحاب و تابعین نے اس آیت سے کیوں استدلال نہ کیا -

دوسرے معترض کو ذرا الفاظ آیت اور اسکے بشارات پر نظر غائر کرنی چاہئیے - اس آیت میں تین امروں کی بشارتیں پائی جاتی ہیں ۱ دین میں تمکین حاصل ہونا ۲ خوف کو امن سے بدل دینا ۳ لا یشرکون بی شیئاً جس کو عیاری سے معترض نے ذکر میں حذف کر دیا ہے یعنے میرے ساتھ لوگ ذرا بھی شرک نہ کرینگے - اب میں اپنے مہربان دوست سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ تمام روئے زمین میں کیا اہل اسلام کو تمکین حاصل ہو گئی ؟ کیا تمام خطہ ارض میں دین اسلام متمکن ہو گیا ؟ کیا اب روئے زمین کے کل مسلمانوں کو کسی قسم کا خوف و خطر باقی نہ رہا اور وہ باطمینان و آرام زندگی بسر کرنے لگے ؟ کیا سطح ارض سے مشرکین بالکل معدوم ہو گئے اور اب صفحہ عالم سے بت پرستی کے نشانات مٹ گئے - اور ہر طرف خدائے واحد و قہار کی عبادت اصول مسلمہ اسلام کے مطابق ہونے لگی ؟ ؟ اگر معترض کے نزدیک یہ کل بشارتیں پوری ہو گئیں

تو میرے خیال میں وہ مکابر عقل خیال کیے جائیں گے۔ تمام روئے زمین
سے قطع نظر کیجیے اور فرمائیے کہ ہندوستان ہی سے کیا بت پرستی ہٹ گئی
اور اسلام کو تمکین حاصل ہو گئی کفر کی علامتیں محو ہو گئیں۔ مسلمانوں کو
کو کوئی خوف باقی نہ رہا، بالکل بدیہی بات ہے کہ خدا کی سچی عبادت کرنے
والے اقل قلیل ہیں۔ مشرکین اور اصنام کی پرستش کرنے والوں سے ہندوستان
مملو ہے۔ اور اگر اس سے مراد صرف خطہ فارس ہے تو جب بشارات قرآنیہ
میں عموم ہے تو براہ مہربانی آپ اسکے مخصص کو بیان کیجیے کہ عقلاء کے
نزدیک قابل تسلیم ہو سکے۔ بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ معترض نے کسی
روایت سے بھی استناد نہ فرمایا کہ جس سے ثابت ہو جاتا کہ اس میں
فلاں فلاں کی خلافت کی طرف اشارہ ہے یا اس سے صرف خطہ فارس
ہی مراد ہے۔ اگر محض فارس کی کنجیاں ہاتھ میں آجانی اور فارس کا
فتح کر لینا باعث حمل آیت ہو سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ سلاطین ماضیہ
اسلام کا مراد لینا اس سے زیادہ قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے
اس سے زیادہ نمایاں فتوح حاصل کیے ہیں۔ پس جب تک شرق ارض
سے غرب تک اور شمال زمین سے جنوب تک تمام صفحہ ارض سے بت پرستی
نہ مٹ جائے۔ دین اسلام متمکن نہ ہو جائے۔ اہل اسلام سے ہر قسم کا
خوف و خطر زائل نہ ہو جائے آیت کی بشارتیں ہرگز پوری نہیں ہو سکتیں
ہمارے قابل دوست نے علم منطق تو ضرور ہی پڑھا ہوگا اور وہ جانتے
ہوں گے کہ نفی میں ہمیشہ عموم ہوا کرتا ہے۔ مثلاً اگر یوں کہا جائے کہ
ما رایت رجلا میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا تو اس سے تمام رجال کے
رویت کی نفی ہو جائیگی اور اگر ایک فرد کو بھی متکلم نے دیکھا ہوگا تو یہ کلام
صادق نہ ہوگا۔ اسی طرح خداوند عالم فرماتا ہے لا یشرکون بی شیئا یشرکون

پر لائے نفی داخل ہے اور پھر لفظ شے پر تنوین تنکیری داخل کر کے تاکید کی گئی ہے۔ جسکے معنے یہ ہوئے کہ میرے ساتھ کچھ ذرا بھی لوگ شرک نہ کرینگے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت کسی مقام کی تخصیص کو ظاہر نہیں کرتی۔ لہٰذا اگر ایک بت پرست کا بھی وجود دنیا میں باقی رہ جائیگا تو آیت کی بشارت ہر گز پوری نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ وہ بشارت ہے کہ جس کا وجود صدر اسلام سے آج تک نہ ہوا کہ بت پرستی صفحہ دنیا سے محو ہو گئی ہو۔ ہاں انشاء اللہ اس بشارت کے پورا ہونے کا زمانہ آرہا ہے۔ یہی وہ عصر ہوگا جس کے متعلق حضور سرور انبیاء نے ارشاد فرمایا ہے۔ یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا جب خدا کے خلیفہ آخر حضرت مہدی موعود کا ظہور موفور السرور ہوگا تو آپ زمین کو عدل و داد سے پر کر دینگے جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے مملو ہو رہی ہے۔ شرق عالم سے غرب تک دین خدا متمکن ہو جائیگا۔ بت پرستی یک قلم سطح ارض سے محو ہو جائیگی۔ میں انشاء اللہ آپ کے بارہویں سوال کے تحت میں حضرت مہدی موعود کے وجود ذی جود کو ثابت کردوں گا۔ پس اس بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ حضرات خلفائے ثلثہ کے عہد پر کسی طرح یہ آیت صادق نہیں آسکتی۔ کہئے! اب تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے ماتحت انکار خلافت خلفائے ثلثہ کے کیا وجوہ ہیں جن کو آپ نے دریافت فرمایا ہے۔ شیخ شاہ سلیمان حنفی نقشبندی بلخی قندوزی المعروف بہ باباخواجہ کلاں نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی ۱۳۵ھ میں اس آیت مبارکہ کے نزول کو حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی شان اقدس میں تسلیم کیا ہے۔ (دیکھئے ینابیع المودۃ)

نمبر۳۔ قولہ:۔ یاایہا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم وماواھم جہنم وبئس المصیر۔ اس آیت میں کفار اور

منافقین سے جہاد کا حکم ہے۔ آپ ثابت فرمائیں کہ آنحضرت صلعم نے یا حضرت علی نے خلفائے ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جہاد کیا اور اگر نہیں کیا تو کیوں۔

(الجواب) مجھے اپنے دوست کی ہمہ دانی پر کمال استعجاب پیدا ہوتا ہے۔ افسوس ہے جنکو آج تک جہاد کے اقسام اور معنے بھی نہ معلوم ہوئے وہ اور کیا جان سکتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس بیچارے کا ماخذ اردو کی کتابوں تک محدود ہو وہ غریب علمی باتوں کو کیوں کر جان سکتا ہے دیکھئے تفسیر کبیر جلد ہشتم ص ۱۲۷۔ تفسیر آیہ مذکورہ میں امام رازی لکھتے ہیں۔ المجاھدۃ قد تکون بالقتال وقد تکون بالحجۃ تارۃ باللسان وتارۃ بالسنان۔ یعنے مجاہدہ کبھی جنگ سے ہوتا ہے اور کبھی دلیل وحجت سے۔ کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی نیزہ وسنان سے فرمائیے اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ مجاہدہ کے کیا معنے ہیں۔ آپ سمجھتے رہے ہوں گے کہ صرف تلوار ہی سے لڑنے کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ یہ آپ کی ناواقفیت پر مبنی ہے پس امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے کفار سے جہاد بالسیف فرمایا۔ جتنی لڑائیاں عہد رسول میں سر ہوئیں وہ علی ہی کی تلوار سے فتح ہوئیں۔ اسی لئے خود جناب خلیفہ دوم نے ایک موقع پر کہا تھا دحق لہ ان یتیہ لولا سیفہ لما قام عمود الاسلام یعنے علی کو ناز کرنا زیبا ہے۔ اگر انکی تلوار نہ ہوتی تو ستون اسلام کبھی قائم نہ ہوتے۔ منافقین سے بھی حضرت علی نے جہاد فرمایا۔ جنگ جمل۔ جنگ صفین وغیرہ کے کارنامے اسپر شاہد ہیں۔ خلفائے ثلثہ سے جہاد باللسان فرمایا اور برابر اپنے حقیت خلافت کے حجج وبراہین قائم فرماتے رہے۔ دیکھئے کتاب السیاسۃ والامامۃ وشرح ابن ابی الحدید معتزلی وغیرہ جسکے حوالے سابقاً نقل کئے جاچکے

ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ علی ہی کی وہ ذات تھی جس نے کل اقسام جہاد کو جمع فرما لیا تھا۔
علاوہ ازیں اس آیت میں مخصوص خطاب جناب سرور عالمؐ سے ہے پس سوال اس مقام پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد جناب رسالت مآب میں کیا کفار کا انحصار صرف زمین عرب ہی میں تھا باقی دیگر بلاد کے اشخاص شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا ثبوت معترض کے ذمہ لازم ہے۔ اور اگر دیگر بلاد میں بھی کفار کا وجود تھا تو پھر باوجود اسکے کہ آیت میں یا ایها النبی جاهد الکفار، کا حکم عام تھا۔ پس کیا وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے صرف کفار عرب سے جنگ فرمائی اور دیگر مقامات کو نظر انداز فرمایا۔ پس جو مصلحت جناب رسولخدا کی تمام کفار سے جنگ نہ فرمانے میں تھی وہی مصلحت حضرت علی کی بھی خلفائے ثلثہ سے جنگ کے ترک کرنے میں رہی ہو گی یا جس طرح کہ جب حضرت موسےٰ میقات پر تشریف لے گئے اور حضرت ہارون کو اپنا وصی وجانشین مقرر کر گئے تو حضرت موسےٰ کے تشریف لے جانے کے بعد مخالفت ہارون یعنی امت موسوی نے گوسالہ کی پرستش شروع کر دی اور حضرت ہارون نے جنگ کو ترک کر کے سکوت سے کام لیا اسی طرح بعد انتقال جناب رسولخدا ان کے وصی اور جانشین نے بھی جہاد بالسیف کو ترک فرما کر سکوت سے کام لیا۔ آپ کو یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ آیت میں خطاب جناب رسولخداؐ سے ہے۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ تو فرمایئے کہ آنحضرتؐ نے منافقین سے کبھی جہاد بھی فرمایا یا نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اس کے جواب سے قاصر ہوں گے۔ اچھا میں آپ کو بتاؤں۔ دیکھئے حاکم نیشاپوری مستدرک علی الصحیحین میں لکھتے ہیں۔ حدثنا ابو سعید احمد بن یعقوب الثقفی ثنا محمد بن عبد الله بن سلیمان ثنا ابراهیم بن اسماعیل بن یحییٰ بن سلمة بن کهیل حدثنی ابی عن ابیه عن اسامه عن مجاهد عن ابن عباسؓ

ان النبیؐ قال فی خطبۃ خطبہا فی حجۃ الوداع لاقطعن العمالقۃ فی کتیبۃ فقال لہ جبرئیل او علی قال او علی بن ابی طالب
ابوسعید نے بسلسلہ مذکورہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ میں گروہ عمالقہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا جبرئیل نے کہا کہ یا علی حضرت نے فرمایا کہ یا علی بن ابی طالب مقصود جبرئیل یہ تھا کہ یارسول اللہ فرما دیجیے کہ میں قتل کروں گا یا علی قتل کریں گے۔ رسولخدا نے ویسا ہی فرما دیا۔ یہ روایت بھی مسلّم ہے کہ جناب رسولخدا نے علی سے فرمایا تھا کہ اے علی تم ناکثین و مارقین و منافقین سے جنگ کروگے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول خدا نے جس امر کا دعوے فرمایا تھا نفس رسول نے گروہ منافقین وغیرہ سے مقاتلہ فرما کر پورا کر دیا آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ مطلق کا وجود ایک فرد کے تحت میں ہو جاتا ہے پس مضمون روایت بالا یا حکم آیت کہ اے رسول کفار و منافقین سے جنگ کرو علی بن ابی طالب کے ذریعہ سے پورا ہوگیا۔ یہ ضروری نہیں کہ خلفائے ثلاثہ سے جنگ کی جائے جب ہی مضمون آیت پورا ہو سکتا ہے۔ باقی رہا کہ خلفاء سے مقاتلہ کو کیوں ترک فرمایا۔ اسکے وجوہ کو ابھی چند سطر دن کے قبل تحریر کر چکا ہوں یہ مضمون روایت مستدرک کو سبط ابن جوزی نے بھی تذکرہ خواص الامہ ص۱۳ میں نقل کیا ہے۔

نمبر ۱۳۔ قولہ:۔ اگر خلفائے ثلثہ برحق نہ تھے تو ان کے زمانہ میں جو جہاد ہوئے اور جو اموال آئے ان کے متعلق آپ کا کیا فتوے ہے۔ شہر بانو خسرو پرویز کی لڑکی جو امام حسین کے قبضہ میں حضرت عمر کے زمانہ میں اسیر ہو کر آئیں اور اس سے جو اولاد ہوئی اسکے متعلق آپ کا کیا فتوے ہے۔

(الجواب) اس مسئلہ میں صرف دو تنقیحیں تنقیحات قائم کرنی چاہتا ہوں جن سے

یہ مسئلہ بخوبی واضح ہوجائیگا اول تو یہ کہ جناب شہربانو کا ورود مدینہ کا زمانہ کیا ہے۔ دوسرے بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ زمانہ خلیفہ دوم ہی میں آئیں تو اس کا کیا اثر مترتب ہوتا ہے۔ تنقیح اول۔ روایت و درایت پر نظر کرنے سے یہ امر بخوبی واضح و روشن ہوا جاتا ہے کہ حضرت شہربانو درحقیقت عہد معدلت حضرت علی علیہ السلام میں وارد مدینہ ہوئیں۔ جن مورخین کا خیال ہے کہ زمانہ عمر بن خطاب میں اسیر ہوکر مدینہ آئیں قطعاً قرین قیاس و مطابق درایت نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ عقلاً مستبعد ہے کہ کسی بادشاہ کی حیات میں اسکی لڑکیاں جو سلطنت کی شہزادیاں کہی جاتی ہیں اسیر و مقید کی جاسکیں۔ اس بنا پر اب لائق تحقیق و قابل غور یہ امر ہے کہ یزدجرد شاہ فارس کی موت کب واقع ہوئی۔ کامل ابن اثیر جزری مورخ اپنی تاریخ کامل جلد ثالث ص ۴۹ مطبوعہ مصر۔ ذیل واقعات ۳۱ھ میں لکھتا ہے:

| | |
|---|---|
| فهرب يزدجرد ماشيا الى شط المرغاب فاوى الى بيت رجل ينقر الارحا فلما نام قتله | پس یزدجرد پاپیادہ دریائے مرغاب کی طرف بھاگا اور ایک شخص کے مکان میں جو چکیوں میں دندانے بناتا تھا پناہ لی۔ جب وہ سوگیا اس کو قتل کردیا۔ |

تاریخ طبری جلد چہارم مطبوعہ مصر ص ۲۶۶ بذیل واقعات ۳۱ھ

| | |
|---|---|
| ولما خلع اهل خراسان زمان عثمان اقبل يزدجرد حتى نزل بمرو فلما اختلف هو ومن معه واهل خراسان اوى الى طاحونة فاتوا عليه | اہل خراسان نے جب زمانہ عثمان میں یزدجرد کو معزول کردیا تو وہ چلا تا اینکہ مرو میں پہونچا۔ پس جب وہ اور اسکے ساتھیوں اور اہل خراسان میں اختلاف واقع ہوا تو اس نے ایک چکی کے پاس پناہ لی۔ لوگ اسکے پاس پہونچے (دیکھا) کہ وہ چکی کے اندر کے ریزوں |

یاکل من کسرۃ خول الماء فقتلوہ ثم رموا بہ فی النہر

کو کھا رہا تھا۔ لوگوں نے اس کو قتل کیا اور نہر میں پھینک دیا۔

مورخین کے ان اقوال سے بکمال صراحت یہ بات ثابت ہے کہ یزدجرد زمانہ خلافت حضرت عثمان میں مارا گیا ہے۔ پس اسکی لڑکیوں کا زمانہ خلافت خلیفہ دوم میں مقید ہوکر آنا بعید از عقل سلیم ہے۔ اب رہا قابل تحقیق یہ امر کہ فارس کی شہزادیاں مدینہ کب لائی گئیں۔ پس دیکھئے روضۃ الصفا جلد ثالث ص ۵۴۳ مطبوعہ لکھنؤ۔

در ربیع الابرار مسطور است کہ امیر المومنین علی۔ حریث بن جابر جعفی را بحکومت بعضے از بلاد مشرق فرستاد حریث دو دختر یزدجرد را بدست آوردہ بخدمت مقدس امیر المومنین علی فرستاد علے شہربانو را بقرۃ العین حسین داد۔

ربیع الابرار میں لکھا ہوا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی نے حریث بن جابر جعفی کو بعض بلاد مشرقیہ کی حکومت کے لئے بھیجا۔ حریث نے یزدجرد کی دو لڑکیوں کو پاکر خدمت اقدس امیر المومنین میں روانہ کیا۔ حضرت علی نے شہربانو کو اپنے نور چشم حسین کو مرحمت فرمایا۔

شیخ جلیل عمدۃ النسابین احمد بن علی بن الحسین داؤدی عمدۃ الطالب ص ۱۸۱ مطبوعہ لکھنؤ میں لکھتے ہیں:۔

بعث حارث بن جابر الجعفی الی امیر المومنین علی بن ابی طالب بنتی یزدجرد بن شہریار فاخذھما واعطی واحدۃ

حارث بن جابر جعفی نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کے پاس یزدجرد بن شہریار کی دو لڑکیوں کو بھیجا۔ پس آپ نے ان دونوں کو لے لیا اور ان میں سے ایک کو اپنے صاحبزادہ حسین کو دیا

لابنه الحسین فاولدها علی بن الحسین واعطی الاخری لمحمد بن ابی بکر الصدیق فاولدها القاسم الفقیه بن محمد بن ابی بکر فهما ابنا خالة

جس سے علی بن الحسین پیدا ہوئے اور دوسری محمد بن ابی بکر صدیق کو دی جس سے قاسم فقیہ بن محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔
پس وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔

یہ دونوں روایتیں بالکل درایت کے مطابق ہیں۔ روایات شیعہ بھی اسکی تائید کرتی ہیں جیسا کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب ارشاد میں نقل کیا ہے۔ نیز اسکی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ولادت باسعادت امام زین العابدین علیہ السلام باتفاق فریقین سنہ ۳۷ یا سنہ ۳۸ میں واقع ہوئی ہے جو عہد حکومت حضرت علی علیہ السلام تھا۔ حضرت شہر بانو کا زمانہ عمر بن الخطاب میں آنا اور بقیہ ان کا عہد خلافۃ اور کل زمانہ حکومت عثمان کا گذر جانا اور ولادت کا نہ ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ پس بقول ابن خلدون ہر واقعہ کے متعلق یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس امر کا وقوع آیا ممکن بھی ہے یا نہیں۔ محض کسی مورخ کا کسی واقعہ کو لکھدینا ہرگز کافی نہیں ہوسکتا۔ حافظ عبد العزیز بن الاخضر الجنابذی نے بھی اپنی کتاب معالم العترۃ میں اس امر کی تصریح کردی ہے کہ حریث بن جابر جعفی نے فارس کی شہزادیوں کو حضرت علی کی خدمت میں بھیجا تھا۔ لہذا بوجوہ مذکورہ بالا معلوم ہوتا ہے کہ جناب شہر بانو کا عہد حضرت علی علیہ السلام میں وارد مدینہ ہونا ثابت و محقق ہے اور جب روایات بھی اسکی تائید کررہی ہیں تو یہی امر قابل قبول بھی ہوگا۔ اس رو سے ان معظمہ کا عہد خلیفہ دوم میں مدینہ آنا خلاف قیاس اور سراسر غلط قرار پاتا ہے جو ہرگز قریں قبول نہیں ہوسکتا۔

تنقیح دوم:- اگر بطور فرض محال یہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جناب شہر بانو زمانہ عمر بن الخطاب میں اسیر ہو کر مدینہ آئیں تو اس پر کیا اثر مترتب ہوتا ہے یہاں پر دو باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول تو یہ کہ آیا شاہزادیاں کنیز بنائی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ جناب رسالت مآبؐ کا تعامل اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ شاہزادے یا شاہزادیاں ہرگز غلام و کنیز ہو سکتیں۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے اکرموا کریم کل قوم۔ ہر قوم کے کریم کا اکرام کرو۔ پس اگر شاہزادے یا شاہزادیاں کنیز بنائی جائیں تو خلاف فرمان رسولؐ ہوا جاتا ہے۔ اسی کو خود حضور انور نے عمل فرما کر دکھلا دیا۔ عدی بن حاتم کے لئے اپنی ردا دوش مبارک سے اتار کر بچھا دی۔ دختر حاتم کی خواہش پر حضرت نے اسکی کل قوم کو رہا فرما دیا جنگ خیبر میں حضرت صفیہ دختر شاہ خیبر کو حضرت علی نے زمرہ اسراء سے علحدہ بلال کے ہمراہ رسول کی خدمت میں بھیجا۔ حضور سرور انبیاء صفیہ کو بغیر نکاح فرمائے ہوئے تصرف میں نہ لائے تزویج بھی واقع ہوئی اور دعوت ولیمہ بھی کی دیکھئے سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ مصر۔ نیز کتاب الاستیعاب برحاشیہ کتاب الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۳۴۶ میں درج ہے:-

| | |
|---|---|
| قال ابو عبیدۃ کانت صفیہ بنت حی عند سلام بن مشکم وکان شاعرا ثم خلف علیھا کنانۃ بن ابی الحقیق وھو شاعر فقتل یوم خیبر فتزوجھا النبی فی سنۃ سبع من الھجرۃ | ابوعبیدہ کا قول ہے صفیہ بنت حی سلام بن مشکم کے پاس تھیں وہ شاعر تھا پھر کنانہ بن ابی الحقیق شاعر نے ان سے تزویج کی۔ وہ بروز خیبر مقتول ہوا۔ پس ان سے ۷ھ میں رسو لخداؐ نے تزویج فرمائی۔ |

پس یہی حکم جناب شہر بانو پر بھی جاری کیا جائیگا اور بتواتر ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شہر بانو کے ساتھ امام حسین علیہ السلام

کی تزویج فرمائی دیکھئے مناقب ابن شہر آشوب مازندرانی وغیرہ۔ یہ مناسبت بھی قابل لحاظ ہے کہ جس طرح جناب صفیہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر اوتر کے آگیا ہے اور اسکی تعبیر یہ تھی کہ آفتاب فلک رسالت سے انکی تزویج ہوئی۔ اسی طرح جناب شہر بانو نے حضرت فاطمہ زہرا کو خواب میں بشارت دیتے ہوئے دیکھا تھا اور اسکی تعبیر یہ ظاہر ہوئی کہ قمر سماء امامت جناب امام حسینؑ سے ان کا نکاح ہوا۔

دوسرے یہ کہ بقول آپ کے جب ہم خلافت عمر بن الخطاب کے قائل نہیں بلکہ ہم اس کو خلافت باطلہ سمجھتے ہیں تو ان کے جتنے تصرفات ہوں گے ہمارے نزدیک کل باطل وناجائز تصور کیے جائیں گے۔ پس ان کی جنگ بھی ہمارے نزدیک عدم شرکت امام جائز کی وجہ سے جہاد شرعی نہ سمجھا جائیگا لہذا جناب شہر بانو بھی کنیز شرعی نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ اپنے حکم حرّیت پر باقی وخود مختار رہیں گی کہ جس کے ساتھ وہ چاہیں اپنا عقد فرمالیں۔ یہی باعث تھا کہ اونھوں نے امام حسینؑ کو پسند کیا اور ان حضرت کے ساتھ تزویج واقع ہوئی جیسا کہ جناب فاطمہ زہرا خواب میں بشارت دے چکی تھیں۔ لیجئے آپ نے کنیزی پر جو احکام مترتب کرنے چاہے تھے وہ سب ہوا ہو گئے۔

نمبر ۵۔ قولہ:۔ آنحضرت نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی لڑکیوں سے کیوں شادیاں کیں۔ آخری مرض میں حضرت فاطمہ کے گھر کو چھوڑ کر حضرت عائشہ کے مکان کو کیوں پسند کیا جب کہ اہل تشیع کے نزدیک امام کو علم غیب ہوتا ہے اور آنحضرت کو معلوم تھا کہ یہ سب لوگ منافق ہیں حضرت علی نے خلیفہ دوم حضرت عمر کو کیوں اپنی دامادی کا شرف بخشا۔

(الجواب) ان سوالات سے سائل کے مبلغ فہم و دانش کا پورا پتہ چلتا ہے۔ قبل اس کے کہ ان سوالوں کے جوابات تحریر کروں۔ مجھے چند باتیں اپنے

باہم معترض سے دریافت کرنی ہیں جو میرے جوابات کی موقوف علیہ ہیں۔ پس جب تک ہمارے قابل دوست ان سوالوں کو حل نہ فرمائیں گے میں بھی کوئی حلی جواب نہ دوں گا۔ دوسری عبارت میں یوں سمجھ لیں کہ وہ میرے سوالات کا جو جواب دینگے وہی جواب میرا ان کے سوالات کا ہوگا۔ ۱ جناب نوح اور حضرت لوط نے جو خدا کے فرستادہ صالح پیغمبروں سے ہیں دو ایسی عورتوں سے کیوں نکاح فرمایا جن کو خدا نے کفر کے لئے ضرب المثل قرار دیا۔ سورہ تحریم میں ارشاد جناب باری عز اسمہ ہے۔ ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأة نوح وامرأة لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتهما فلم تغنیا عنهما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین خدا نے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر اختیار کیا زوجہ نوح و لوط سے مثال دی جو میرے دو صالح بندوں کے تحت میں تھیں۔ پس ان دونوں عورتوں نے ہر دو بندوں سے خیانت کی۔ پس وہ دونوں صالح بندے ان دونوں کو کوئی فائدہ نہ پہونچا سکے اور ان ہر دو عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ۲ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما اگر تم دونوں توبہ بھی کرو تو تم دونوں کے قلوب کج ہو گئے ہیں کس کی شان میں آیا ہے اور کیوں۔ ۳ آسیہ بنت مزاحم ایسی مومنہ کا نکاح فرعون ایسے کافر سے کیوں ہوا۔ زوجہ تو وہ جس کو خدا نے اہل ایمان کے لئے ضرب المثل قرار دیا۔ ضرب اللہ مثلا للذین امنوا امرأة فرعون ایمان والوں کے لئے زوجہ فرعون کو خدا نے بطور مثل بیان کیا اور شوہر ایسا کافر شقی جو دعوے خدائی کرتا تھا۔ ۴ جناب حفصہ کو رسو لخدا نے کیوں طلاق دی۔ جس پر خلیفہ دوم نے سر پر خاک ڈالی اور خوب روئے۔ دیکھئے تفسیر کبیر امام رازی جلد ۸ صفحہ ۱۶۳۔ کتاب الاستیعاب برحاشیہ اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۶۹۔ کتاب الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۳۔

مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ ۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۰۵ چھاپہ لکھنؤ
معارج النبوۃ رکن چہارم باب پنجم صفحہ ۹۴ چھاپہ لکھنؤ وغیرہ وغیرہ ۵ ھنا الفتنہ
حیث یطلع قرن الشیطان فتنہ یہیں ہے جہاں شیطان کے سینگ نکلیں گے
دیکھئے صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ باب ما جاء فی بیوت ازواج النبی
ھنا الفتنہ کو تین مرتبہ فرمایا تھا پس ارشاد ہو کہ آنحضرت صلعم نے کسکے گھر کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا تھا اور کیوں ۔ میرا جواب آپ کے ان سوالات کے حل پر
موقوف ہے پہلے آپ انکو حل کریں تو پھر میں بھی آپکے اس سوال کا جواب حلی دونگا
اب لیجئے اپنے سوال کا دوسرا جزو ۔ آخر وقت میں آنحضرت نے خانہ جناب عائشہ کو
کیوں پسند کیا ۔ پس اولاً تو یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے ۔ دوسری ہماری روایات سے
ہرگز یہ ثابت نہیں ۔ اگر آپکی روایتوں میں وارد ہے تو ہم پر حجت نہیں ۔ لہذا پہلے
آپ اس کا ثبوت ہماری مستند کتابوں سے پیش کریں ۔ اسکے بعد اسکے جواب کا
ہم سے مطالبہ کیجئے کہ خانہ جناب عائشہ کو کیوں ترجیح دی تھی ۔
مجھے معترض کے تجاہل پر کمال استعجاب ہوتا ہے ۔ اسکے قبل ایک مرتبہ یہ ایک
معترض صاحب نے چند سوالات کے ہمراہ مسئلہ عقد حضرت ام کلثوم پیش کیا
تھا اور رسالہ تائید حق میں کمال شرح و بسط کے ساتھ اس کا جواب دیا جا چکا ہے
جس کا جواب تو آج تک ممکن نہ ہوا اور تجاہل فرما کر پھر آپنے اس مسئلہ کو پیش کر دیا
کہ حضرت علی نے خلیفہ دوم کو (معاذ اللہ) اپنی دامادی کا شرف کیوں بخشا ۔
جواباً تحریر ہے کہ یہ واقعہ غلط اور سراسر غلط ہے ۔ اسکی تفصیل کے لئے رسالہ
تائید حق ملاحظہ کیجئے ۔ اگر کہئے تو رسالہ تائید حق پھر حاضر خدمت کر دیا جائے ۔
نمبر ۶ قولہ :۔ قرآن مجید حضرت سرور کائنات کے کام یوں فرماتا ہے
ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ
ویزکیھم یعنے رسول کا کام یہ ہے کہ وہ تزکیہ نفوس بھی کرے ۔ اگر حضرت

سرورِ کائنات کی زندگی میں چند لاکھ مسلمان ہوئے وہ اگر سب کے سب منافق تھے تو وہ کون سا تزکیہ ہے جو افضل الرسل نے دنیا میں آ کر کیا۔ ان اصحاب کے اسماء تحریر فرمائیے جو حقیقی مسلمان تھے۔

(الجواب) رسول کا فریضہ صرف تبلیغ کا ہے۔ وہ ہرگز اس امر کا ذمہ دار نہیں کہ زبردستی کسی کو دائرہ اسلام میں داخل کر دے یا اگر اس کے انتقال فرمانے کے بعد کوئی شخص برگشتہ ہو جائے تو اس کی تبلیغ کا نقص نہیں کہا جا سکتا اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب خدا خود ارشاد فرماتا۔ انما انت مذکر لست علیہم بمصیطر اے رسول تم صرف یاد دلانے والے ہو۔ تم ان پر نگہبان نہیں ہو۔ پھر امت سے خطاب کر کے فرماتا ہے۔ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ کیا پس اگر رسول مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے یعنے مرتد ہو جاؤ گے۔ سورہ منافقین کا نزول خود اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ زمان رسول بھی منافقین سے خالی نہ تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے عہدۂ تبلیغ کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ اب اگر کوئی حضور نبی میں یا بعد حیات کفر یا نفاق اختیار کر لے تو پیغمبر اس کا ذمہ دار قطعاً قطعاً نہیں ہو سکتا۔ حقیقی اصحاب کے اسماء کا احصاء ناممکن ہے۔ ایک معیار تحریر کر دیا جاتا ہے کہ جو رسول کی سچی تعلیم کا عامل ہو۔ ان کے جملہ اوامر و نواہی کی تعمیل کرتا ہو۔ ان کے وصایا پر عمل کرتا ہو وہ سچا مسلمان سمجھا جائیگا اب ہر ایک کے کیرکٹر پر نظر کر کے پرکھنا آپ کے ذمہ ہے۔

نمبر۔ قولہ:۔ موجودہ قرآن مجید جو رائج ہے وہ حضرت عثمانؓ کا کا شائع شدہ ہے۔ حضرات شیعہ کا قرآن کون سا ہے۔ اگر امام غائب اس کو اپنے ساتھ ہی غائب کر گئے تو ایسے قرآن کے نزول سے کیا فائدہ۔ اگر حقیقی قرآن دنیا میں موجود نہیں تو حضرات شیعہ کا عمل درآمد کس قرآن پر ہے۔

(الجواب) حق تو یہ ہے کہ ہمارے ذی فہم و قابل معترض کو اردو عبارت

بھی لکھنی نہیں آتی۔ بجائے لفظ شایع کردہ کے تحریر فرماتے ہیں "حضرت عثمان کا شایع شدہ" بہرکیف قران خود عثمان کا جمع کیا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اسکے جمع کرنے والے زید بن ثابت صحابی پیغمبر تھے۔ اب اگر عثمان نے اشاعت کی کوشش کی یا ان کے عہد میں جمع کیا گیا تو وہ کلام خدا ہونے سے خارج نہیں ہو سکتا۔ میں (بلا تشبیہ) آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے مضامین کو کوئی شخص بصورت کتاب جمع کر کے شایع کر دے یا کوئی کتب فروش اسکی اشاعت کی کوشش کرے تو کیا وہ آپکی کتاب نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر زید بن ثابت نے قران جمع کیا اور حضرت عثمان نے اسکی اشاعت کی تو اسمیں کون سی قباحت لازم آتی ہے۔ بے شک یہی حقیقی قرآن ہے اور اسی پر شیعوں کا عملدر آمد ہے اور ہمارے ائمہ اس قران کی تصدیق فرما چکے ہیں۔ ترتیب کے رد و بدل کا کل فرقہ اہلسنت بھی قائل ہے لیکن اس سے وہ قران ہونے سے خارج نہیں ہو سکتا۔

نمبر۔ قولہ: حضرت عیسی علیہ السلام کا جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا قران مجید کے کس آیت سے ثابت ہے یعیسی انی متوفیک اور فلما توفیتنی میں فعل توفی باب تفعل سے آیا ہے۔ آپ ثابت فرمائیں کہ جب خدا فاعل ہو اور توفی باب تفعل سے ہو اور ذی روح مفعول ہو اور کوئی قرینہ نیند وغیرہ کا موجود نہ ہو تو توفی کے معنے سوائے قبض روح کے کچھ اور ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے رفع کا فعل جب ذی روح کے لئے استعمال ہو اور خدا فاعل ہو جیسے بل رفعہ اللہ الیہ میں حضرت عیسیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے تو اس کے معنے آسمان پر اوٹھایا ثابت کیجئے۔

(الجواب) قبل اسکے کہ اس سوال کا جواب تفصیلی تحریر کیا جائے۔ آپکو آپکی اس غلطی پر متنبہ کر دینا ضروری ہے کہ قران مجید کا ذاب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ

اجمال کے پردہ میں قواعد کلیہ کو بیان کرتا ہے۔ ہر واقعہ جزئیہ کے تفصیلات سے تعرض نہیں کرتا۔ اسی لئے قران کے فہم معانی و مطالب کے لئے ضم احادیث کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر قران اپنے مفسر حقیقی کا محتاج نہ ہوتا تو خداوند عالم کو اس حکم کے نازل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا جسد عنصری کے قید کے ساتھ رفع جناب عیسی کا ثبوت یا آپ کے قیود لایعنی پر نظر کرتے ہوئے قران مجکم سے فعل توفی کی مثال کا مطالبہ بعینہ ایسا ہی ہے کہ جماعت احمدیہ سے ان کے پیغمبر کے نبوت کا ثبوت ان قیود کے ساتھ طلب کیا جائے کہ قران سے ثابت کیجئے کہ سرزمین قادیان سے ایک پیغمبر اوٹھیگا جس کا نام غلام احمد ہوگا اور ان کے وصی اور جانشین فلاں فلاں بزرگ ہوں گے۔ ان کا حلیہ یہ ہوگا۔ یہ واضح رہے کہ یاتی من بعدی اسمہ احمد کا پیش کرنا ہرگز کافی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں قادیان کا تذکرہ نہیں۔ ان کے وصی کا نام نہیں۔ حلیہ کا ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں ممدوح کا نام غلام احمد ہے۔ نہ کہ صرف لفظ احمد۔ باعتبار ترکیب نحوی احمد کی طرف لفظ غلام مضاف ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ میں تغائر کا ہونا لازمی ہے ورنہ اضافت باطل ہو جاتی لہذا اضافت اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ احمد کوئی اور بزرگ تھے جن کی طرف ممدوح کے غلامی کی نسبت دی گئی ہے۔ پس کیا ممکن ہے کہ قیود مذکورہ کے ساتھ قران مجید سے آپ انکی نبوت کا ثبوت پیش کرسکیں۔ اگر آپ کی رائے میں تنہا قران مجید بغیر انضمام احادیث ہر امر کے اثبات کے لئے کافی ہے تو مہربانی فرماکر عدد رکعات نماز کو قران سے ثابت کیجئے۔ شرب خمر و لواطہ کی حد قران سے بیان کیجئے۔ ارکان نماز کا اثبات قران سے فرمایئے۔ نصاب زکوۃ کا پتہ قران سے دیجئے۔ دست سارق کس مقام سے قطع کیا جائے گا قران سے ثابت کیجئے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن محاورہ عرب میں نازل ہوا ہے لہذا توضیح معانی کے لئے لغت عرب سے استعانت لازمی ہے۔ لغت کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ مادہ کے معانی کسی نہ کسی نوع سے اس کے مشتقات میں موجود ہوتے ہیں۔ توفی کا مادہ وفا ہے جسکے معنے پورا کرنے کے ہیں۔ اسی سے ایفاء مشتق ہے یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود اسی سے توفیہ مشتق ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب اسی سے توفی مشتق ہے جو اس وقت ہمارا اور آپکا موضوع کلام ہے۔ توفی کے معنے ہیں اخذ الشے وافیا کسی چیز کو پورا لے لینا یا پورا کر دینا چونکہ موت میں بھی استیفاء مدت ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے موت کے لئے بھی اس کو مجازاً استعمال کرتے ہیں۔ اور ہر ایک معنے مجازی کا مراد لینا ایک قرینہ صارفہ کا محتاج ہوتا ہے اور جب مجرداً عن القرینہ استعمال ہوگا تو وہ لفظ معنے حقیقی پر محمول کی جائیگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موت مراد لینے میں قرینہ صارفہ کا قائم کرنا آپ کے ذمہ عائد ہوگا ورنہ معنے لغوی مراد لئے جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ آپ اشتراک کے قائل ہوسکتے ہیں اور ہر لفظ مشترک سے کسی خاص معنے کا مراد لینا محتاج قرینہ ہوتا ہے پس بہرحال معنے مرگ کے مراد لینے کے لئے قرینہ صارفہ کا قائم کرنا آپکے ذمہ ہے اسکے برعکس مثال کا مطالبہ آپ ہم سے کر رہے ہیں۔ اسی کو فن مناظرہ میں مجادلہ کہتے ہیں جو دراصل مناظرہ کے بالکل خلاف ہے۔ بہرکیف چونکہ آپ اپنی قیود مذکورہ کے ساتھ رفع اور توفی کی مثال کا مطالبہ ہم سے کر رہے ہیں کہ فاعل خدا ہو اور مفعول ذی روح ہو۔ اگرچہ قاعدہ کے رو سے اسکا بار ہم پر عائد نہیں ہوتا لیکن تفضلاً ہم آپکی خاطر سے مثال پیش کر دیتے ہیں۔ دیکھئے سورہ مریم میں خداوند کریم حضرت ادریس کے باب میں ارشاد فرماتا ہے ورفعناہ مکانا علیا۔ خدا فاعل ہے اور مفعول ذی روح ہے۔ حضرت ادریس اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور وہ اب تک زندہ موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۵۶۶ فقال بعضھم ان اللہ

رفعه الی السماء و الی الجنة وهو حی لم یمت یعنی بعض مفسرین نے کہا ہے
کہ خدا نے ادریس کو آسمان اور جنت کی طرف اوٹھالیا اور وہ اب تک زندہ موجود ہیں مرے نہیں
پھر لکھتے ہیں سئل ابن عباس کعبا عن قوله ورفعناه مکانا علیا قال
جائه خلیل له من الملائکة فسأله حتی یکلم حتی یوخر قبض روحه فحمله
ذلک الملک بین جناحیه فصعد به الی السماء فلما کان فی السماء
الرابعة فاذا ملک الموت یقول بعثت وقیل لی اقبض روح ادریس
هناک یعنی ابن عباس نے کعب سے اس قول خدا کے متعلق سوال کیا ہم نے
ادریس کو مکان بلند کی طرف اوٹھالیا۔ کعب نے کہا کہ ان کے پاس ان کا ایک دوست
ملائکہ میں سے آیا۔ پس ادریس نے اس سے سوال کیا کہ اوس وقت تک کہ وہ ملک الموت
سے کلام کرلیں تاکہ ان کے قبض روح کو موخر کریں۔ پس فرشتہ نے اپنے دونوں بازوں
کے درمیان میں اوٹھالیا اور ان کو آسمان کی طرف صعود کرایا۔ پس جب آسمان چہارم پر
پہونچے تو ملک الموت کہہ رہے تھے کہ میں بھیجا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ ادریس کی روح یہاں قبض
کرو۔ اب خواہ ادریس زندہ ہوں یا آسمان پر پہونچکر انکی روح قبض ہوئی ہو۔ لیکن بہرحال اسی پیکر
کے ساتھ آسمان پر زندہ جانا ثابت ہوگیا۔ پس اسی طرح اسی جسد عنصری کے ساتھ حضرت
عیسیٰ کا بھی رفع واقع ہوا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے بل رفعه الله الیه۔ فہم قرآن اور
شئے ہے اور مجادلہ شئے دیگر۔ دوسری دلیل رفع مع الجسد کی یہ ہے کہ ضمیر ہمیشہ
شخص کیطرف عائد ہوتی ہے اور شخص روح مع الجسد کا نام ہے۔ اگر صرف رفع
روح مراد ہوتا تو رفعه نہ کہا جاتا بلکہ رفع روحه کہنا چاہیے تھا۔ باقی رہی
لفظ توفی کی مثال قبل اسکے کہ کوئی مثال پیش کی جائے۔ آپکو آپ کی ایک غلطی
پر پھر متنبہ کردینا ضروری ہے۔ آپ تحریر کرتے ہیں "کہ جب فاعل خدا ہو اور توفی
باب تفعل سے ہو" توفی کے ساتھ باب تفعل کی شرط بھی نہایت معنے خیز ہے۔ شاید
توفی آپ کے نزدیک باب تفعل کے علاوہ اور بھی کسی باب سے ہو سکتا ہے۔

جب ہی تو آپ کو اس شرط کی ضرورت پڑی کہ باب تفعل سے ہو۔ بہرکیف دیکھیے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے یتوفاکم باللیل دیکھیے یہ فعل باب تفعل کا ہے فاعل خدا ہے ذی روح مفعول ہے اور موت کے معنے مراد نہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ لفظ لیل نیند کے معنے کا قرینہ موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ لیل میں قرینہ ہونے کی صلاحیت نہیں۔ اس لئے کہ فرض کیجئے کہ اگر کسی شخص کی موت وقت شب ہی میں واقع ہوئی ہو تو توفاہ اللہ باللیل کہہ سکتے ہیں۔ پس اگر لفظ لیل میں قرینہ بننے کی صلاحیت موجود ہے تو اس صورت خاص میں بھی آپکو نوم ہی کے معنے مراد لینے ہوں گے۔ پس جس لفظ میں خوف التباس ہو کیسے قرینہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ میں اسکے قبل بصراحت لکھ چکا ہوں کہ دراصل توفی سے موت کے معنے مراد لینے میں قرینہ کی ضرورت ہے۔ ورنہ معنے لغوی مراد لئے جائیں گے۔ اب ذرا قران کی بلاغت کو ملاحظہ فرمائیے توفی کے معنے ہیں اخذ الشیء وافیا کسی شئے کو پورے پورے لینا خدا جانتا تھا کہ چودہویں صدی میں ایک فرقہ پیدا ہوگا جو وفات مسیح کا قائل ہوگا۔ پس خدا نے اسی لفظ توفی سے اسکی نفی کر دی۔ خدا فرماتا ہے یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ اے عیسی میں تمہیں کل کا کل یعنے مع الجسد لے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اوٹھا لینے والا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اخذ کل نہیں ہو سکتا جب تک رفع مع الجسد نہ ہو۔ آخر میں اس قدر اور آپ سے کہوں گا کہ خدارا انصاف سے کام لیجئے ابھی مبحث فدک میں خبر واحد سے قران کے عموم میں تخصیص کرنے پر آپ کمال مستعدی سے کمربستہ تھے لیکن اس موقع پر باوجود اخبار کثیرہ متواترہ مسلمہ فریقین آیات قرانیہ کو خلاف اخبار متواترہ پر حمل کرنے کی کوشش لاحاصل کر رہے ہیں۔ واہ کیا کہنا۔ انصاف پسندی اسی کا نام ہے۔ حالانکہ اگر بقول آپ کے تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس مقام پر موت ہی کے معنے مراد

ہیں - جب بھی یہ امر قابل لحاظ ہے کہ متوفیک میں متوفی صیغہ فاعل ہے جو وقوع خبر پر بزمانہ استقبال دلالت کرتا ہے اور چونکہ اس میں زمانہ کی تعیین نہیں پس ممکن ہے کہ مراد باری تعالے یہ ہو کہ اے عیسے علیہ السلام آسمان سے اتارنے کے بعد تم کو وفات دینے والا ہوں - باقی رہی دوسری آیت فلما توفیتنی - پس جب رفع مع الجسد ثابت ہو گیا تو پھر اس آیت میں مدت عمل یا مدت ہدایت کا پورا کرنا مراد ہوگا جیسا کہ روایات کثیرہ واقوال مفسرین بھی اسکی تائید کر رہے ہیں - اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ چونکہ رفع بحالت نوم واقع ہوا تھا اس لئے لفظ توفیتنی استعمال کی گئی - علاوہ ازیں قرآن مجید کی ایک آیت بصراحت حیات جناب عیسے پر دال ہے جس کو محدثین و مفسرین نے نقل کیا دیکھئے بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۹

| | |
|---|---|
| حدثنا اسحاق اخبرنا یعقوب بن ابراھیم حدثنا ابی عن صالح عن ابن شھاب ان سعید بن المسیب سمع ابا ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ و یفیض المال | حدیث بیان کی مجھ سے اسحاق نے - خبر دی مجھے یعقوب بن ابراہیم نے - بیان کیا مجھ سے میرے پدر نے اور اُس نے صالح سے اور اُس نے ابن شہاب سے نقل کر کے کہ سعید بن مسیب نے ابوہریرہ سے سنا - اس نے کہا کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تمہارے درمیان میں ابن مریم حاکم عادل بن کر آئیں - پس وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خوک کو قتل کر ڈالیں گے - جزیہ کو قائم کرینگے - مال کو زیادہ کرینگے تاانیکہ کوئی شخص نہ لے گا - |

| | |
|---|---|
| حتے لا یقبضہ احد حتے تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وفیہا اقرأوا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیہم شہیدا | یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ اگر تم چاہو تو پڑھو۔ کہ کوئی اہل کتاب سے نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ عیسےٰ پر قبل ان کے موت کے ایمان لائے گا۔ اور وہ روز قیامت ان سب پر گواہ ہوں گے۔ |

اس روایت کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح جلد اول صہ ۷۲ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ جسکے آخری الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| ثم یقول ابو ھریرۃ اقرأوا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ | پھر ابو ہریرہ نے کہا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو کہ اہل کتاب میں کوئی نہ ہوگا مگر یہ کہ ان (عیسےٰ) کے موت کے قبل ان پر ایمان لائے گا۔ |

تفسیر کشاف جلد اول صہ ۲۳۹ سطر ۱۴ مطبوعہ مصر میں ہے الضمیران لعیسی بمعنے وان منہم الا لیومنن بعیسے قبل موت عیسے یعنی دونوں ضمیریں (بہ - موتہ) عیسےٰ کے لئے ہیں۔ اس معنے سے کہ ان میں کوئی نہ ہوگا مگر یہ کہ عیسےٰ پر قبل موت عیسےٰ ایمان لائیگا۔

تفسیر کبیر جلد ثالث صہ ۳۵۲ مطبوعہ مصر میں ہے: ان قولہ قبل موتہ ای قبل موت عیسے والمراد ان اھل الکتاب الذین یکونون موجودین فی زمان نزولہ لا بد وان یومنوا بہ۔ یعنے بے شک خدا کا قول قبل موتہ سے قبل موت عیسےٰ مراد ہے اور مقصد یہ ہے کہ وہ اہل کتاب جو زمانہ نزول عیسےٰ میں موجود رہیں گے وہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے۔

تفسیر در منثور جلد دوم صـ ۲۴۱ مطبوعہ مصر -

اخرج الفریابی وعبد بن حمید والحاکم وصححہ عن ابن عباس فی قولہ و ان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ قال خروج عیسے بن مریم واخرج ابن جریر و ابن ابی حاتم من طرق عن ابن عباس فی قولہ وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ قال قبل موت عیسے

فریابی اور عبد بن حمید اور حاکم نے نقل کیا ہے اور اسکی تصحیح ابن عباس سے کی ہے خدا کے اس قول کے متعلق کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ ان پر ان کی موت کے پہلے ایمان لائے گا - ابن عباس نے کہا کہ اس سے مراد خروج عیسے بن مریم ہے - اور ابن جریر و ابن ابی حاتم نے کئی طریقوں سے ابن عباس سے اس قول خدا کے بارہ میں روایت کی ہے کہ اہل کتاب میں کوئی نہ ہوگا مگر یہ کہ ان پر قبل انکی موت کے ایمان لائے گا - کہا کہ قبل موت عیسے مراد ہے -

پھر در منثور جلد ۲ صـ ۳۶ میں ہے قال رسول اللہ صلعم للیہود ان عیسی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ یعنے جناب رسول خدا صلعم نے یہود سے فرمایا کہ عیسے مرے نہیں اور وہ تمہاری طرف قبل روز قیامت واپس آنے والے ہیں ۔

نتیجہ کلام کہ حیات حضرت عیسے علیہ السلام کے باب میں اخبار متواترہ سے کتب فریقین مملو ہیں اور اس کا منکر مکابر مختل ہے - میرے بیان سابق سے معنے دفع و توفی بھی بخوبی واضح ہوچکے جو ہر صاحب انصاف کے نزدیک مسلم و قابل تسلیم

ہوگا۔ ہٹ دھرمی کا دنیا کے پاس جواب نہیں۔

نمبر ۹۔ قولہ:۔ لفظ خاتم تا کی زبر سے جو ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں وارد ہے یہ مقام مدح میں ہے یا مقام ذم میں۔ اگر مقام مدح میں ہے تو لغت یا کلام عرب سے ثابت کیجئے کہ خاتم کے معنے مقام مدح میں کسی جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو تو بند کرنے کے آتے ہیں۔

ہمارے مکرم دوست نے اس سوال میں بھی جو قیود مہمل عائد کی ہیں اور جو لاطائل تشقیقیں قائم کی ہیں ان سے ممدوح کے دستگاہ علمی کا کافی پتہ چلتا ہے۔ ممدوح کی یہ تشقیق کہ "مقام مدح میں ہے یا مقام ذم میں" حق تو یہ ہے کہ اس کا ذائقہ کچھ اہل ذوق ہی اوٹھا سکتے ہیں۔ وہ اس قدر نہ سمجھ سکے کہ اس آیت میں ایک واقعہ کا اظہار ہے۔ خداوند عالم خبر دے رہا ہے کہ آنحضرت خدا کے پیغمبر اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اس محل پر مدح وذم کی تشقیق کا کیا موقع اور اس کو اس مورد سے کیا ربط ہے۔ البتہ اگر وہ صدق خدا کے قائل نہ تھے تو صدق وکذب خبر میں کلام کر سکتے تھے۔ یا بعد فرض صدق خبر خاتم کے معنے میں گفتگو کر سکتے تھے لیکن مدح وذم کے سوال کا تو کوئی محل ہی نہ تھا۔ علیٰ ہذا القیاس یہ قید بھی عبث ومہمل ہے کہ جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو جب کسی لفظ کے کوئی معنے ثابت ہو جائیں گے تو وہ خواہ واحد کیطرف مضاف ہو یا جمع کی طرف۔ بہرحال لفظ کے معنے وہی رہیں گے۔ کیا جمع کی طرف مضاف ہونے سے معنے میں بھی کوئی تغیر واقع ہو جائے گا مثلاً خاتم الوزراء کو لیجئے۔ اگر خاتم کے معنے آپ کے نزدیک ختم کے ثابت نہ ہوں تو باوجودیکہ وہ جمع کی طرف مضاف بھی ہے لیکن کبھی آپ اس کو تسلیم نہ کرینگے اور اسکے برعکس اگر خاتم کو بمعنے ختم آپ تسلیم کرلیں گے تو جمع کی طرف مضاف ہو یا نہ ہو آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔ پھر فرمائیے کہ اس قید کا کیا حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں خاتم جمع کی طرف مضاف ہو کر ہی ختم کے معنے دیتا ہے اس لیے کہ جمع میں تعدد ہوتا ہے اور جب لفظ خاتم جمع کی طرف مضاف ہوگی تو ختم کے معنے پیدا ہو جائیں گے پھر جمع کی طرف اضافت کی قید آپ کے سوال میں عبث ہے۔ بہر کیف ملاحظہ کیجئے منتہی الارب فی لغات العرب جلد اول ص ۲۹۵ مطبوعہ لاہور۔ خاتم کصاحب مہر و انگشتری۔ بدین معنے پنج لغت دیگر آمدہ (پھر لکھتے ہیں) خاتم کہاجر و خاتام وخیتام۔ ختم محرکۃً وخاتیام خواتم وخواتیم جمع۔ و آخر ہر چیزے وپایان آن و آخر قوم۔ خاتم بالفتح مثلہ ومحمد خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ قاموس جلد ثالث چھاپہ کلکتہ ص ۱۶۰۶

کالخاتم والخیتام والخاتام والختم محرکۃ والخاتیام ج خواتم وخواتیم وقد تختم بہ ومن کل شئ عاقبتہ و اخرتہ کخاتمتہ و اخر القوم کالخاتم

مثل خاتم اور خاتام اور خیتام اور ختم اور خاتیام کے۔ جمع خواتم اور خواتیم اور تختم بہ (استعمال ہوتا ہے) اور ہر شے کا انجام اور اس کا آخر مثل اس کے خاتمہ کے اور قوم کے سب کے آخر کو کہتے ہیں مثل خاتم کے۔

مفردات راغب اصفہانی برحاشیہ نہایہ ابن اثیر جلد اول ص ۳۱۳ مطبوعہ مصر میں ہے۔ وخاتم النبیین لانہ ختم النبوۃ وتممہا بمجیئہ اور خاتم النبیین اس لیے کہ آکر نبوت کو ختم اور اس کو تمام کر دیا۔ اب ذرا کتب احادیث وتفاسیر پر نظر کیجئے۔ دیکھئے تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۲۰۴

اخرج عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن المنذر و

عبد الرزاق اور عبد بن حمید اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے قتا

ابن ابی حاتم عن قتادۃ فی قولہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین قال اخر نبی۔ واخرج عبد بن حمید عن الحسن فی قولہ وخاتم النبیین قال ختم اللہ النبوۃ بمحمد وکان اٰخر من بعث

سے نقل کیا ہے قول خدا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے باب میں۔ کہا آخر نبی (مراد ہے) اور عبد بن حمید نے حسن سے قول خدا وخاتم النبیین کے بارہ میں کہا ہے کہ خدا نے انبیاء کو محمدؐ پر ختم کردیا اور وہ آخر نبی تھے جو مبعوث کئے گئے۔

اسی طرح نو یا دس حدیثیں اسی مضمون کی نقل کی ہیں۔ منجملہ ان کے دو یہ بھی ہیں۔ دیکھئے صفحہ مذکورہ :۔

اخرج ابن مردویہ عن ثوبان قال قال رسول اللہؐ انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی واخرج احمد عن حذیفہ عن النبیؐ قال فی امتی کذابون و دجالون سبعۃ وعشرون منھم اربع نسوۃ وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی

ابن مردویہ نے ثوبان سے نقل کیا ہے اس نے کہا کہ فرمایا رسول خداؐ نے کہ میری امت میں ۳۰ نبی کاذب ہونگے کہ ان میں سے ہر ایک گمان کریگا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں انبیاء کا آخر ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اور حذیفہ سے احمد نے اور حذیفہ نے نبی سے نقل کیا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میری امت میں ۲۷ کذاب و دجال ہوں گے کہ منجملہ ان کے چار عورتیں ہوں گی اور میں انبیاء کا آخر ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۵) صحیح بخاری جلد دوم ص۱۶۷ میں دو حدیثیں اور صحیح مسلم جلد دوم ص۲۸۲ میں

چار حدیثیں مضمون ذیل کی نقل کی گئی ہیں۔

| | |
|---|---|
| ابوبکر بن شیبۃ ثنا عفان ثنا سلیم بن حیان ثنا سعید بن میناء عن جابر عن النبیؐ قال مثلی ومثل الانبیاء کمثل رجل بنی دارا فاتمہا واکملہا الا موضع لبنۃ فجعل الناس یدخلونہا ویتعجبون منہا ویقولون لولا موضع ھذہ اللبنۃ قال رسول اللہ فانا موضع تلک اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء | ابوبکر بن شیبہ نے عفان سے اور اس نے سلیم بن حیان سے اور اس نے سعید بن میناء سے اور اس نے جابر سے اور جابر نے نبیؐ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری مثال اور انبیاء کی مثال مثل اس شخص کے ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس کو تمام و کامل کیا لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھی پس لوگ اس میں داخل ہونے لگے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی (تو اچھا تھا) رسولخداؐ نے فرمایا کہ میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ میں آیا اور انبیاء ختم کر دیئے گئے۔ |

علامہ ابن حجر عسقلانی کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ششم ص۳۶۱ مطبوعہ مصر میں بذیل شرح حدیث مذکور لکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وفی الحدیث ضرب الامثال للتقریب للافہام وفضل النبی علی سائر النبیین وان اللہ ختم بہ المرسلین واکمل بہ شرائع الدین | حدیث میں مثالیں لوگوں کے افہام سے قریب کرنے اور نبی کا فضل تمام انبیاء پر ظاہر کرنے کے لئے بیان کی گئیں اور بے شک خدا نے رسولوں کو ان پر ختم کیا اور دین کی شریعتوں کو کامل کیا۔ |

میں نے مشتے نمونہ از خروارے چند احادیث و اقوال پر اکتفا کی ورنہ ایک ضخیم رسالہ اس کتاب پر ہو سکتا ہے۔ لغت سے بھی خاتم کے معنے ختم و آخر کے ثابت کر دیئے گئے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آخر قوم کو بھی کہتے ہیں۔ اسی معنے سے جمع کی طرف مضاف کر کے خاتم الفقہاء خاتم المحدثین وغیرہ وغیرہ برابر کلمات عرب میں مستعمل ہے۔ میں نے آپکی حدیثیں اس لئے پیش کیں کہ آپ یہ نہ کہہ دیں کہ تمہاری حدیثیں ہم پر حجت نہیں۔ اگر آپ زمام انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ دینگے تو اس قدر کافی ہے ہاں ہٹ دھرمی ایک مرض لا علاج ہے۔

نمبر ۱۔ قولہ:۔ کسی مدعی نبوت کے کون سے معیار ہیں جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔

(الجواب) کسی مدعی نبوت کے پرکھنے کا معیار معجزہ ہے جو اس کے دعوے کے مقارن ہو اور اہل زمانہ اس کے معارضہ سے عاجز ہوں۔ قرآن مجید نے بھی یہی معیار پیش کیا ہے لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتاب والمیزان ہم نے اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ ہی ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا (جس سے صدق کا وزن کیا جا سکے) باقتضائے مصلحت و وقت خداوند عالم نے ہر ایک نبی کو معجزے عطا فرمائے۔ مثلاً حضرت عیسٰے کے بارے میں ارشاد باری تعالٰے ہے:۔ واذ علمتک الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فیکون طیرا باذنی واذ تبرئ الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتٰے باذنی (یاد کرو اے عیسٰے) جب ہم نے تم کو کتاب و حکمت و توراۃ و انجیل کی تعلیم دی اور جب تم مٹی سے چڑیے کی شکل میری اجازت

سے بناتے تھے پس تم میرے اذن سے اس میں نفخ روح کرتے تھے پس وہ اُڑنے لگتی تھی۔ اور جب تم میرے اذن سے مجذوم و مبروص کو اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے اذن سے مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کو عصا کے ساتھ مبعوث کیا قال القہا یا موسیٰ فالقاھا فاذا ھی حیّۃ تسعیٰ خدا نے حکم دیا کہ اے موسیٰ عصا کو ڈال دو۔ پس موسیٰ نے عصا ڈال دیا ناگاہ وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ حضرت داؤد کے لئے لوہے کو نرم کر دیا والنالہ الحدید ہم نے لوہے کو ان (داؤد) کے لئے نرم کر دیا۔ پیغمبر آخر الزمان کو قرآن کے ساتھ مبعوث کیا قل ان کنتم فی ریب مما نزّلنا علےٰ عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہدائکم من دون اللہ ان کنتم صادقین اے رسول کہہ دو کہ ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر نازل کیا ہے اگر تم کو شک ہو تو تم بھی اس کے مثل ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے علاوہ اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

نمبر ۱۱۔ قولہ :۔ قرآن مجید میں ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ۔ یعنے ان لوگوں پر جو حقیقی رنگ میں ربنا اللہ کہنے والے ہیں۔ فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ یہ امر قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کیا آپ اپنے سلف صالحین میں سے ایسے حضرات کو جنہوں نے مکالمہ ومخاطبہ کا شرف حاصل کیا ہو۔ ایسے حضرات کے الہامات پیش فرمائیے۔

(الجواب) ہمارے نزدیک غیر نبی و امام نہ کسی پر نزول ملائکہ ہوتا ہے اور نہ ان کے علاوہ کسی سے ملائکہ مکالمہ ومخاطبہ کرتے ہیں۔ ہمارے ائمہ اثنا عشر میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھے۔ اگر آپ ان کے اخبار بالغیب معجزات کو معلوم کرنا چاہتے ہوں تو کتب مناقب کا مطالعہ کیجئے۔

فریقین کی کتابیں اس سے مملو ہیں اور وہ حد احصاء سے باہر ہیں۔ یہ مختصر رسالہ ان تفصیلات کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اور کیوں ایسا نہ ہو کہ انکا وجود اہل زمین کے لئے امان و باعث بقاے عالم ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ملائکہ کا ان پر نزول ہوتا ہو یا ملائکہ ان سے ہم کلام ہوتے ہوں بلکہ شرف خدمت حاصل کرتے ہیں۔ دیکھئے صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی مطبوعہ مصر ص۱۰۵ اور ینابیع المودۃ شاہ سلیمان حنفی مطبوعہ بمبئی ص۲۵۵۔ اخرج الملا انہ م ارسل اباذر ینادی علیا فرای رحی تطحن فی بیتہ ولیس معہا احد فاخبر النبی م بذلک فقال یا اباذر اما علمت ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض قد وکلوا بمعاونۃ آل محمد۔ ملا نے نقل کیا ہے کہ رسولخدا م نے ابوذر کو بھیجا علی کے بلانے کے لئے۔ پس اونھوں نے علی کے گھر میں دیکھا کہ چکی خود بخود چل رہی تھی اور اسکے پاس کوئی نہ تھا پس ابوذر نے پیغمبر خدا کو اس امر کی خبر دی۔ حضرت نے فرمایا اے ابوذر کیا تم کو معلوم نہیں کہ زمین پر خدا کے چلنے والے ملائکہ ہیں جو آل محمدؐ کی معاونت کیلئے مقرر کئے گئے ہیں۔

الہامات و اخبار بالغیب بھی بہت ہیں۔ مثلاً حضرت علی علیہ السلام کا اپنے قاتل و روز قتل کی خبر دینی۔ قتل حسینؑ اور ان کے قاتل کا پتہ بتانا۔ حجاج کا حال اور ان افعال کو ظاہر کر دینا جو وہ کوفہ میں کرنے والا تھا۔ بصرہ کا زنگیوں کے ہاتھ سے برباد ہونا بجز مسجد جامع کے۔ قرامطہ کی حالت اور ان کا حجر اسود کو اوکھاڑ لینا۔ اپنے اصحاب کے قتل کی خبریں دینی۔ مثلاً حجر بن عدی کندی۔ رشید ہجری۔ جویریہ بن مسہر عبدی۔ میثم تمار۔ قنبر وغیرہ۔ اسی طرح بے انتہا الہامات و غیب کی خبریں ہیں جن کے احصاء کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

نمبر ۱۲ - قولہ: - حضرت امام کے غائب ہونے کے متعلق عقلی و نقلی کیا ثبوت ہیں کہ وہ بقید حیات ہیں - کیا وہ حوائج بشری سے خارج ہیں - اگر ہیں تو خدا فرماتا ہے من نعمرہ ننکسہ فی الخلق یعنے جس کو ہم عمر دیتے ہیں اسکو خلقت میں الٹاتے ہیں اس قانون الہی سے کوئی نبی و رسول مستثنے نہیں ہوئے پھر امام غائب کیونکر مستثنے ہو سکتے ہیں - ان کے اتنا عرصہ تک غائب رہنے کی عند اللہ کیا حکمتیں ہیں۔

(الجواب) ہمارے قابل دوست کو آج تک لفظ حوائج اور لفظ خواص کے درمیان میں فرق اور ان کا محل استعمال نہ معلوم ہوا کہ خواص بشری کی جگہ حوائج تحریر کرتے ہیں - خلقت میں الٹانا بھی خاص اونھیں کا محاورہ ہے اتنا عرصہ تک بھی مخصوص اونھیں کی زبان ہے - کاش یہ سوالات مطبوعہ ہوتے تو میں ان تمام اغلاط کو مطبع کے کاتب کی غلطی پر محمول کرتا - خیر اس سے بحث نہیں - میری نظر معانی و مطالب پر ہے - میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارے مکرم دوست خدا کی قدرت کے منکر ہیں یا معجزہ کے معنے سے واقف نہیں ہیں ایسے ان دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر خداوند عالم کسی خاص بندہ کو کسی مخصوص مصلحت سے کوئی امر خارق عادت عطا کرے تو اس کی قدرت سے کیوں خارج ہو جائیگا اگر وہ ماہیت معجزہ سے واقف نہ ہوں تو ان کو کتب کلامیہ کی طرف مراجعہ کر کے پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ معجزہ کس کو کہتے ہیں - تحریر فرماتے ہیں "اس قانون سے کوئی نبی و رسول مستثنے نہیں ہوئے" ذرا وہ یہ تو ارشاد کریں کہ جن انبیاء کو خدا نے طویل عمریں عطا کی ہیں - ان میں سے کن کن انبیاء کو اونھوں نے دیکھا ہے کہ وہ منکوس الخلقت ہو گئے تھے یا اگر کسی کتاب میں ملاحظہ کیا ہے تو براہ کرم بقید حوالہ تحریر کریں تا کہ مجھ کو بھی استفادہ ہو - جب حضرت ادریس کا رفع آسمان کی طرف ہوا تو انکی عمر ۳۶۵ برس کی تھی اور ان کے والد ماجد

یرد کی عمر اس وقت ۵۲۷ برس کی تھی اور بعد رفع ادریس ۴۳۵ سال اور زندہ رہے جس کا مجموعہ ۹۶۲ برس ہوا۔ متوشلخ بن ادریس نے ۹۲۷ برس کی عمر پائی۔ اور لمک بن متوشلخ ۷۸۲ برس تک زندہ رہے۔ ۱۸۷ سال کی عمر میں لمک کی تزویج ہوئی اور بعد ولادت حضرت نوح ۵۹۵ سال تک اور زندہ رہے جس کا مجموعہ ۷۸۲ سال ہوتا ہے۔ حضرت نوح بن لمک ۳۵۰ برس کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور ۹۵۰ سال تک اپنی قوم میں رہے اور بعد طوفان پھر ۳۵۰ سال تک زندہ رہے۔ حساب کر لیجئے معلوم ہو جائیگا کہ ۱۶۵۰ سال کی عمر پائی۔ حضرت خضر ذوالقرنین اکبر کے قبل سے موجود تھے۔ ذوالقرنین اکبر حضرت ابراہیم کے عہد میں تھے اور اب تک حضرت خضر زندہ رہیں۔ جناب الیاس بھی موجود ہیں۔ تاریخ کامل جلد اول ص۵۵ میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق لکھا ہے یلتقیان کل عام بالموسم ہر سال موسم حج میں ان دونوں میں ملاقات ہوتی ہے۔ فرمایئے ان انبیاء میں سے آپ نے کس کو خود دیکھا یا کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ وہ جھک کر چلتے ہیں۔ اچھا صالحین کا ذکر جانے دیجئے من نعمرہ ننکسہ فی الخلق میں اگر آپ عموم تسلیم کرتے ہیں اور کسی فرد کو مستثنےٰ نہیں کر سکتے تو جن بھی اس حکم میں شامل ہوں گے۔ اس بنا پر ابلیس تو بہت ہی زیادہ جھک کر چلتا ہوگا بلکہ اب تو بغیر عصا کے اس کا چلنا ممکن ہی نہ ہوگا۔ نہ معلوم بیچارہ عصا کہاں سے لایا ہوگا۔ ممکن ہے کہ معترض ہی سے مانگ کر لے گیا ہو۔ ابلیس کی خلقت حضرت آدم سے قبل ہوئی اور وقت معلوم تک زندہ رہے گا۔ دجال کا وجود کتب احادیث واخبار سے ثابت ہے۔ بعض اصحاب رسول سے ملاقات بھی ہو چکی ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم۔ غرض صلحاء و اشقیاء میں سے خدا جس کو چاہے عمر طویل دے۔ سب صحیح و درست ہے لیکن اگر اہل بیت نبی میں کسی کو عمر طویل ملے تو ہر طرف سے اعتراضات ہیں۔ ہزاروں شبہات وارد کئے جاتے ہیں۔ گویا قدرت خدا کا انکار

ہے۔ عبود ایک شخص گذرا ہے جس کا تذکرہ صاحب قاموس نے بذیل لغت عبد کیا ہے۔ وہ سات برس تک ایک صحرا میں سوتا رہا۔ پانی بھی برسا۔ آندھیاں بھی چلیں۔ موسم سرما گذر گیا فصل گرما منقضی ہوگئی۔ برف باری بھی ہوئی۔ غرض تغیرات عالم واقع ہوتے رہے لیکن وہ سوتا ہی رہا اور سات برس کے بعد بیدار ہوا۔ ذرہ بتلائیے تو سہی یہ خارق عادت امر اسکے لئے کیسے واقع ہوا۔ یا یہ کہہ دیجئے کہ مجد الدین فیروز آبادی جھوٹے ہیں۔ آپ کے خیال میں یہ سب ممکن ہے لیکن خاندان رسالت کے لئے بھلا خارق عادت امر کا وقوع کہاں ممکن ہے۔ حضرت ادریس کی غیبت ثابت ہے۔ جناب صالح پیغمبر عرصہ تک غائب رہے اور جب ان کی غیبت واقع ہوئی تھی تو حسین الجسم کثیر اللحیہ تھے اور جب واپس آئے تو اس قدر انقلاب واقع ہوگیا تھا کہ قوم نے نہ پہچانا۔ حضرت موسی کی دو غیبتیں ثابت ہیں۔ حضرت ابراہیم کے لئے بھی دو غیبتیں واقع ہوئیں۔ غیبت ولادت۔ اور جب وہ مصر سے خارج کئے گئے جس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ۔ آصف بن برخیا کی غیبت کو طولانی لکھا گیا ہے۔ جناب دانیال نو برس غائب رہے دیگر انبیاء کی غیبتیں زمان یوشع بن نون سے جناب داؤد کے عہد تک تقریباً چار سو برس تک رہی۔ خود جناب رسولخدا ص غار ثور میں پوشیدہ ہوئے۔ جس پر بعد وفات رسول حضرت عمر کہتے پھرتے تھے واللہ ما مات محمد وانما غاب کغیبۃ موسی وانہ سیظہر بعد غیبتہ۔ بخدا محمد مرے نہیں بلکہ حضرت موسے کی طرح غائب ہوگئے ہیں اور اپنی غیبت کے بعد ظاہر ہونگے۔ غرض سب کچھ قابل تسلیم لیکن امام عصر کی غیبت ناقابل تسلیم۔ مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ وجہ غیبت بتاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ آپ پہلے دیگر انبیاء کی غیبتوں کے وجوہ کو ثابت کیجئے۔ پھر ہم سے امام عصر کی وجہ غیبت کو پوچھئے۔ جن اغراض و مصالح سے انبیاء کی غیبتیں واقع ہوئیں وہی

مصالح و اسباب باعثِ غیبت امام عصرؑ بھی ہیں۔ باقی رہا غیبت کا طولانی ہونا۔ پس یہ کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ جس طرح دیگر انبیاء کے وجوہ غیبت برطرف ہو گئے تو اُن کا ظہور ہوا۔ اسی طرح ہمارے امام عصر کے بھی اسباب غیبت جب مرتفع ہو جائینگے تو ان کا بھی ظہور ہوگا اور بموجب بشارت رسولؐ زمین کو نور عدل و انصاف سے روشن کردینگے۔ اب لیجئے حضرت کے وجود کا ثبوت۔ پس اس پر کل مذہب شیعہ کا اجماع ہے آپ کے مستند علمائے اسلاف کبار کی ایک جماعت کثیرہ حضرتؑ کے وجود کی قائل ہو چکی ہے۔ اگر میں ہر ایک کے اقوال کو کمال اختصار سے بھی بیان کروں جب بھی ایک ضخیم کتاب ہو جائیگی۔ اس لئے میں صرف بعض کے اقوال کو بطور فہرست پیش کرتا ہوں

(۱) شیخ ابو سالم کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول صـ ۲۹۳ ـ ۲۹۴ مطبوعہ لکھنؤ باب دوازدہم میں لکھتے ہیں:۔ فاما مولدہ فبسرمن رای فی ثالث وعشرین رمضان سنۃ ثمان وخمسین ومأتین لیکن آنحضرت کی ولادت۔ پس سرمن رای میں ۲۳ ماہ رمضان ۲۵۸ھ میں واقع ہوئی۔ پھر لکھتے ہیں:۔ اما اسمہ فمحمد وکنیتہ ابو القاسم ولقبہ الحجۃ والخلف الصالح وقیل المنتظر لیکن انکا نام پس محمد اور کنیت ابوالقاسم اور لقب حجت و خلف صالح ہے۔ اور منتظر بھی کہا گیا ہے۔ بعد اس کے بہت سے احادیث آپ کے حالات میں لکھے ہیں اور متعصبین و منکرین وجود کے اعتراضات کو کمال شرح و بسط سے رد کیا ہے۔ اگر شوق ہو تو اصل کتاب کو دیکھئے۔

(۲) صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی صـ ۱۲۴ مطبوعہ مصر ابو القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین لکن آتاہ اللہ فیہا الحکمۃ ویسمی القائم المنتظر قیل لانہ ستر بالمدینۃ وغاب ولم یعرف این ذہب ومر فی الایۃ الثانیۃ عشرۃ۔ ابوالقاسم محمد جو حجت خدا ہیں اور انکی عمر اُنکے پدر بزرگوار کے وقت وفات پانچ برس کی تھی لیکن اوسی عمر میں خدا نے انکو حکمت عطا کی۔ اور انکا نام قائم منتظر بھی رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ شہر سے غائب ہو گئے اور نہ معلوم ہوا کہ کہاں گئے۔ بارہویں آیت میں ان کا ذکر گذر چکا ہے۔ انتہٰی

اور بارہویں آیت کا تذکرہ علامہ موصوف نے صلا۹۶ میں اس طرح کیا ہے الآیۃ الثانیۃ عشرۃ
قولہ تعالیٰ و انہ لعلم للساعۃ قال مقاتل بن سلیمان ومن تبعہ من المفسرین ان ہذہ الآیۃ
نزلت فی المہدی وستاتی الاحادیث المصرحۃ بانہ من اہل البیت النبوی و
حینئذ ففی الآیۃ دلالۃ علی البرکۃ فی نسل فاطمۃ وعلیؑ ترجمہ بارہویں
آیت قول خدا وانہ لعلم للساعۃ مقاتل بن سلیمان اور وہ مفسرین جنہوں نے اسکی متابعت
کی ہے۔ کہا ہے کہ یہ آیت حضرت مہدی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور عنقریب ان احادیث
کا ذکر آتا ہے جن میں اس امر کی تصریح ہے کہ وہ اہل بیت نبوی سے ہیں۔ اور اس وقت یہ آیت میں
برکت نسل فاطمہؑ و علیؑ پر دلالت ہے۔ اسکے بعد صلا۹۷ سے صلا۱۰۱ تک آپکے حالات و احادیث
کا تذکرہ کمال بسط کے ساتھ کیا ہے اور صلا۹۹ میں لکھا ہے (تنبیہ) ان خروج المہدی قبل نزول
عیسیٰ وقیل بعدہ قال ابو الحسین الآبری قد تواترت الاخبار واستفاضت
بکثرۃ رواتہا عن المصطفےٰ بخروجہ وانہ من اہل بیتہ وانہ یملک سبع سنین وانہ
یخرج مع عیسیٰ فیساعدہ علیٰ قتل الدجال بباب لد بارض فلسطین وانہ یؤم ہذہ الامۃ
ویصلی عیسیٰ خلفہ یعنے خروج مہدی علیہ السلام قبل نزول عیسیٰ ہوگا اور کہا گیا ہے کہ بعد نزول
عیسیٰ۔ ابو الحسین آبری نے کہا کہ متواتر حدیثیں جو راویوں کی کثرت سے مستفیضہ ہوگئی ہیں
پیغمبر خدا سے مروی ہیں اس امر کے متعلق کہ اُن (مہدیؑ) کا خروج ہوگا اور وہ اہلبیت نبی سے ہونگے
اور انکے ساتھ عیسیٰ بھی ہونگے جو دجال کی جنگ پر انکی مساعدت کرینگے زمین فلسطین در دروازہ
لد پر۔ اور یہ کہ وہ اس امت کی امامت کرینگے۔ پس عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھینگے
(۳) شیخ سلیمان حنفی معروف ببابا خواجہ کلاں نے کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی میں
صلا۴۵۳ سے ۴۹۱ تک حضرت کے حالات نہایت شرح کے ساتھ کتاب المحجہ، مشکاۃ المصابیح
جواہر العقدین۔ فرائد السمطین وغیرہ سے نقل کئے ہیں جسمیں زائچہ ولادت کا بھی تذکرہ
کیا ہے۔ زمان غیبت کبرے کے بھی حالات درج کئے ہیں۔ آیات نازلہ و احادیث واردہ
کا باحسن وجوہ ذکر کیا ہے۔ اشعار کثیرہ بھی لکھے ہیں۔ اگر آپکو ان امور کا علم تفصیلی حاصل

کرنا مقصود ہو تو اصل کتاب کو دیکھیے۔

(۴) جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں حضرتؑ کے وجود اقدس کو تسلیم کیا ہے اور حالات نقل کیے ہیں۔ اشعار بھی لکھے ہیں منجملہ ان کے یہ ہیں: بیا اے امام ہدایت شعار + بگذشت حد غم از انتظار + زروے ہمایون بیفگن نقاب + عیاں ساز رخسار چوں آفتاب + برون آے از منزل اختفا + نمایاں کن آثار مہر و وفا (۵) عبد الرحمان صوفی نے مرآۃ الاسرار میں حضرتؑ کے وجود ذی جود کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مدت شاہ خدمت اقدس میں پہونچے اور کمالات روحانیہ کا اکتساب کیا (۶) شیخ عبد الوہاب شعرانی نے اپنی کتاب لواقح الانوار فی طبقات الاخیار اور کتاب یواقیت و جواہر میں حضرتؑ کے حالات کو بتفصیل درج کیا ہے۔ اور لواقح میں شیخ حسن عراقی کا قصہ لکھا ہے کہ مسجد شام میں امام عصر سے ملاقات ہوئی اور باہم گفتگو بھی ہوئی۔ منجملہ اسکے ایک امر یہ بھی تھا۔

سئلت المهدی عن عمره فقال یا ولدی عمری الان ستمائة سنة وعشرون سنة

یعنی میں نے مہدی سے انکی عمر کے بارہ میں سوال کیا۔ فرمایا کہ اے فرزند میری عمر اس وقت ۶۲۰ برس کی ہے

(۷) علی اکبر بن اسد اللہ مودودی نے جو متاخرین علماے کبار اہلسنت میں سے ہیں۔ حاشیہ نفحات میں حضرتؑ کے وجود و طول عمر و عصمت کو تسلیم کیا ہے اور ایک نہایت طولانی عبارت لکھی ہے منجملہ اسکے یہ ہے۔ هو من اولاد الامام الحسن العسكری ومولده علیه السلام لیلة النصف من شعبان سنة خمس وخمسین ومأتین وهو باق الی ان یجتمع بعیسی بن مریم علیهما السلام فیكون عمره الی وقتنا هذا وهو سنة ثمان وخمسین وتسعمائة سبع مائة سنة وست سنین یعنی وہ (مہدیؑ) اولاد امام حسن عسکری علیہ السلام سے ہیں اور ولادت ان کی شب نصف شعبان ۲۵۵ھ میں واقع ہوئی اور وہ باقی ہیں تا اینکہ عیسے بن مریم کے ساتھ مجتمع ہوں پس انکی عمر اس وقت کہ ۹۵۸ھ ہے ۷۰۶ سال[له] کی ہے (۸) شیخ عبد الحق

له یہ سن شریف اصل کتاب کے ترجمہ کے لحاظ سے لکھا گیا ہے۔ لیکن از روے حساب ۷۰۳ برس کا سن قرار پاتا ہے۔ اس لیے کہ مصنف نے سال ولادت ۲۵۵ھ تحریر کیا ہے۔ لہذا ۹۵۸ھ میں ۷۰۳ برس عمر قرار پائے گی منہ ۱۲

دہلوی نے رسالہ حالات امام عصر میں بکمال صراحت و وضاحت حضرت کے وجود کو تسلیم
اور حضرت حکیمہ خاتون کی زبانی قصہ ولادت باسعادت کو نہایت شرح و بسط سے تحریر کیا ہے
(۹) ملا عبدالرحمن جامی نے شواہد النبوت میں امام آخر الزمان کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے آپکے
غرائب حالات کو درج کیا ہے منجملہ اسکے یہ بھی لکھا ہے کہ بعد ولادت فوراً ہی سجدہ کیا۔
اور آیت نرید ان نمن الذین استضعفوا کی تلاوت فرمائی۔ آپکے داہنے بازو
پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زھوقا
(۱۰) سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ میں لکھا ہے ھو محمد بن الحسن بن علی
بن محمد بن علی بن موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب
علیہم السلام وکنیتہ ابوعبداللہ او ابوالقاسم وھو الخلف الحجۃ صاحب الزمان القائم
المنتظر وھو آخر الائمہ یعنے وہ محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسی بن جعفر
بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں۔ انکی کنیت ابوعبداللہ
اور ابوالقاسم ہے۔ اور وہ خلف حجت۔ صاحب الزمان۔ قائم منتظر ہیں اور آخر ائمہ
ہیں۔ (۱۱) نور الدین بن صباغ مالکی نے کتاب فصول المہمہ میں حضرت کے حالات کے لئے
ایک باب مستقل قرار دیا ہے۔ عنوان اس کا یہ ہے:۔ الفصل الثانی عشر فی ذکر ابی القاسم
محمد الحجۃ الخلف الصالح بن ابی محمد الحسن الخالص وھو الامام الثانی عشر
تاریخ ولادتہ ودلائل امامتہ وذکر طرف من اخبار غیبتہ ومدۃ قیام
دولتہ وذکر نسبہ وکنیتہ ولقبہ وغیر ذلک بارہویں فصل۔ ابوالقاسم محمد۔
حجت۔ خلف صالح بن ابو محمد حسن خالص کے ذکر میں اور وہ بارہویں امام ہیں۔ اور ان کی
تاریخ ولادت و دلائل امامت و چند اخبار غیبت اور ان کی مدت سلطنت اور ان کے
نسب و کنیت و لقب وغیرہ کے بیان میں۔ (۱۲) محمد بن محمد بن محمود بخاری مشہور بخواجہ
محمد پارسا نے کتاب فصل الخطاب میں حضرت کے وجود اقدس کو تسلیم کیا ہے اور آپکی
تاریخ ولادت شب نصف ماہ شعبان ۲۵۵ھ تحریر کی ہے۔ اور حکیمہ خاتون کی زبانی

قصہ ولادت کو کمال وضوح سے لکھا ہے۔

لیجئے یہ ہیں آپ کے سوالات واعتراضات کے جوابات جن کے متعلق آپ کو ادعا تھا کہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ چونکہ آپ نے بارہ سوالات تحریر کئے تھے اور بارہواں سوال ہمارے بارہویں امام کے متعلق تھا لہذا میں نے بھی آپ کے بارہ عالموں کے نقل اقوال پر اکتفا کی ورنہ اس باب میں ایک مستقل ضخیم کتاب ہوسکتی ہے۔ ارباب انصاف کے لیئے اس قدر کافی ووافی ہے۔ اس طرح ہٹ دھرمی کے لیئے تو دفتر کا دفتر بھی کفایت نہیں کرسکتا۔

ذهب الحمار يستعيد لنفسه قرنا فعاد وماله اذنان۔

## عبارت جو حسب تصریح سابق قصہ خطبہ دختر ابوجہل کے ذیل میں اضافہ ہوگی[۵۱]

چنانچہ عہد معاویہ میں حضرت علی علیہ السلام کی تنقیص شان کے لیئے بہت سی حدیثیں وضع کی گئیں اور اس نے واضعین احادیث کے لئے اجرت بھی مقرر کردی تھی جو غلط حدیثیں وضع کرکے عالم میں نشر کیا کرتے تھے۔ اگر آپ کو اس کا ثبوت درکار ہو تو دیکھیے شرح ابن ابی الحدید معتزلی جلد اول جزء رابع صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ مصر۔ وہ لکھتے ہیں ان معاوية وضع قوما من الصحابة وقوما من التابعين على رواية اخبار قبيحة فى على عليه السلام تقتضى الطعن فيه والبرائة منه وجعل لهم على ذلك جعلا ليرغب فى مثله فاختلقوا ما ارضاه منهم ابو هريرة وعمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة ومن التابعين عروة بن الزبير یعنے معویہ نے صحابہ کی ایک جماعت اور تابعین کے ایک گروہ کو ایسے اخبار قبیحہ کی روایت کے لئے معین کیا جو حضرت علی علیہ السلام کی شان اقدس میں باعث طعن ہوں اور حضرت سے علحدگی اختیار کرلینے کا سبب ہوں۔ اور اس نے ان لوگوں کے لئے اس کام پر اجرت مقرر کردی تاکہ وضع احادیث

۵۱ اس عبارت کو صفحہ ۳۹ کی سطر ۶ جملہ "گرفتہ ہو گئیں" کے بعد اسی سے ملا کر پڑھئے ۱۲

کا لوگوں کو شوق دلائے پس ان لوگوں نے ایسی حدیثیں گڑھیں جس نے معاویہ کو خوش کر دیا کہ منجملہ ان کے ابوہریرہ ۔عمرو بن العاص ۔مغیرہ بن شعبہ تھا اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر تھا۔

اسکے بعد ابن ابی الحدید نے ان لوگوں کے چند احادیث موضوعہ کا ذکر کیا ہے اور ادھیں گڑھی ہوئی حدیثوں کے ذیل میں سے واقعہ خِطبہ دختر ابوجہل کو بھی بسلسلہ روایت ابوہریرہ نقل کیا ہے اور پھر وہ لکھتے ہیں :۔ قلت هذا الحديث ايضا مخرج فی صحیحی مسلم والبخاری عن المسور بن مخرمة الزهری وقد ذكره المرتضى فی كتابه المسمى تنزيه الانبياء والائمة وذكر انه رواية حسين الكرابيسی وانه مشهور بالانحراف عن اهل البيت عليهم السلام والمناصبة لهم فلا تقبل روايته ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث بھی صحیح مسلم و صحیح بخاری میں نقل کردی گئی ہے مسور بن مخرمہ زہری سے نقل کر کے ۔ اور مرتضیٰ نے اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حسین کرابیسی کی روایت ہے اور وہ انحراف و اظہار عداوت اہل بیت علیہم السلام میں مشہور ہے ۔ پس اسکی روایت قبول نہیں کی جاسکتی ۔ انتہے

سید مرتضیٰ کے اس قول کو ابن حجر عسقلانی نے بھی کتاب فتح الباری میں نقل کیا ہے ۔ ہمارے بافہم معترض پر اب تو اس روایت کی حقیقت بخوبی کھل گئی ہوگی ۔ ابن ابی الحدید نے بسلسلہ روایت ابوہریرہ اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور ابوہریرہ نے عمرو بن عاص سے روایت کی ہے اور یہ دونوں عداوت حضرت علی علیہ السلام میں بکمال شہرت رکھتے ہیں ۔ بالخصوص عمرو بن عاص کی دشمنی کے کارنامے کسی اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں ۔ پس ظاہر ہے کہ اسکی روایت کب قابل قبول ہوسکے گی ۔

سید اظہار الحسنین مدیر الشمس

(سید غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کھجوا میں چھاپکر شایع کیا)